ماہنامہ

میثاق

لاہور

جمادی الاوّل / جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: ۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور

(فون : 852683 - 852611)

چندہ سالانہ ۲۰/- _____ قیمت فی شمارہ ۲/-

و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۳۰	جمادی الاول ۱۴۰۱ھ مطابق مارچ ۱۹۸۱ء	عدد ۳

مشمولات

		صفحہ
★ عرض احوال	جمیل الرحمان	۲
★ رسالت اور تکمیل رسالت	ڈاکٹر اسرار احمد	۳
★ خطبہ نکاح اور ہماری عائلی زندگی	،، ،،	۱
★ اسلام اور حقوق اطفال	مولانا غازی عزیر	۳۳
★ تعارف الکتاب	ڈاکٹر اسرار احمد	۳۹

مرکزی انجمن کے کراچی آفس کا پتہ

کمرہ نمبر 144 - 145 پہلی منزل - سنی پلازہ
مولانا حسرت موہانی روڈ نزد نگار ہوٹل کراچی

جہاں ہر جمعہ کو صبح دس بجے اور ہر جمعرات کو بعد نماز عشاء اجتماعات
ہوتے ہیں - جن میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درس قرآن کے کیسٹ
سنائے جاتے ہیں - نیز درس حدیث اور دیگر دینی موضوعات
پر مستقل پروگرام ہوتے ہیں

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد ★ طابع: چوہدری رشید احمد
مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح - لاہور

جمیل الرحمٰن

عرض احوال

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

جمادی الاوّل ۱۴۰۱ھ مطابق مارچ ۱۹۸۱ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ سابقہ شمارے کے اعلان کے مطابق محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر بعنوان "وسطی و شمالی امریکہ کے حالیہ دعوتی دورے کے تاثرات و مشاہدات" اس شمارے میں شامل نہیں ہوسکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۲۷ فروری ۸۱ بروز جمعہ موصوف کے فرزند ارجمند میاں عارف رشید سلمہٗ کا عقد نکاح مسنونہ کراچی میں رفیق محترم قاضی عبدالقادر صاحب قیم تنظیم اسلامی کی دختر نیک اختر سے ہونا طے پایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ دستور رہا ہے۔ کہ جب بھی کسی کا نکاح پڑھاتے ہیں تو خطبہ نکاح میں جو آیات قرآنیہ اور احادیث شریفہ پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی تشریح بھی بیان فرمایا کرتے ہیں۔ چونکہ ان میں تمام شرکاء محفل کے لئے بالعموم اور دولہا کے لئے بالخصوص نہایت مؤثر موعظت و تذکیر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی بعض ایسی تقاریر کو راقم الحروف نے "خطبۂ نکاح اور اس کا ہمارے معاشرتی زندگی سے تعلق" کے عنوان سے یک جا مرتب کیا تھا جو مطبوعہ صورت میں راقم کے دو بیٹوں کے نکاح کی محفل میں حاضرین کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا گیا تھا۔ اب موقع کی مناسبت سے یہ مضمون اس شمارے میں شامل کیا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے دورے کے تاثرات والی تقریر کے لئے گنجائش نہیں رہی۔ ان شاءاللہ یہ تقریر آئندہ اشاعت میں پیش خدمت ہوگی۔

سابقہ اشاعت کے ضمن میں یہ وضاحت مناسب ہے کہ ہم نے کوشش کر کے ربیع الاوّل، ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ (جنوری، فروری ۸۱) کے شمارے کی تمام کاپیاں ۲۶ جنوری تک تیار کرالی تھیں۔ طباعت کے لئے پریس بھیجنے سے قبل آجکل ہر شمارے کی تمام کاپیوں کو ایک "ضابطے" سے گزرنا لازمی ہے۔ اس مرحلے کو طے کرنے میں اندازے سے کہیں زیادہ وقت گزر گیا۔ جس کے باعث پرچے کی اشاعت میں تاخیر ہوگئی۔ اب اللہ کرے کہ یہ شمارہ بروقت شائع ہوجائے اور اس میں کوئی غیر معمولی تاخیر نہ ہو۔

سابقہ شمارے کے سلسلے میں یہ معذرت بھی کرنی ہے کہ انگریزی الفاظ کی کتابت میں چند بڑی فاش غلطیاں رہ گئیں۔ مثلاً صفحہ ۱۸ پر RETREAT کر جگہ PHASE اور Phase کی جگہ Retreat لکھا گیا۔ یہی صورت حال صفحہ ۲۷۔ پر اس طرح ہوئی کہ MORTGAGE کی جگہ ADD-BACK اور Add-Back کی جگہ Mortgage لکھا گیا۔ اور بھی چند اغلاط رہ گئی ہیں جن پر اب معذرت ہی پیش کی جا سکتی ہے۔

علمی مجالس مذاکرہ

مرکزی انجمن نے ۱۹۷۳ء سے سالانہ قرآن کانفرسوں کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اور ۱۹۸۰ء تک لاہور میں ۵ کانفرنسیں اور کراچی میں ۲ کانفرنسیں کل ۷ کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں۔ سال رواں میں مرکزی انجمن کی انتظامیہ نے یہ طے کیا ہے۔ کہ بجائے تین چار روزکی کانفرنس کے ۲۳ر مارچ سے ۳۰ر مارچ ۱۹۸۱ء تک قرآن اکیڈمی ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور میں علمی مجالس مذاکرہ منعقد کی جائیں۔ ان مجالس میں عصر تا مغرب اصحاب علم و دانش میں سے کوئی ایک صاحب کسی مقررہ موضوع پر مقالہ پیش فرمائیں گے اور پھر اس پیش کردہ مقالے پر مذاکرہ ہوگا۔ مغرب سے عشاء کے مابین دروس قرآن حکیم کا اہتمام ہوگا۔ اور ہر درس سے متعلق سوالات و جوابات کے لئے بھی موقع فراہم کیا جائے گا۔

مرکزی انجمن کا سالانہ اجلاس

مرکزی انجمن کے قواعد و ضوابط کے مطابق انجمن کا نواں سالانہ اجلاس ان شاءاللہ ۲۳ر مارچ ۸۱ بروز پیر ۹½ بجے صبح قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوگا۔ ۲۳ر مارچ کو یوم پاکستان کی ملک بھر میں عام تعطیل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں اراکین انجمن کو شرکت کی سہولت ہوگی۔ اس اجلاس میں انجمن کے سال ۱۹۸۰ء کی کارگزاری کی رپورٹ اور سالانہ حسابات پیش ہوں گی۔ انجمن کے قواعد و ضوابط کی رو سے مجلس تنظیم کا انتخاب ہر دو سال بعد ہوتا ہے۔ اس لئے اس اجلاس میں انتخاب کا انعقاد نہیں ہوگا چونکہ وہ پچھلے سال ہو چکے ہیں البتہ توقع ہے کہ یوم پاکستان کی مناسبت سے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کوئی خطاب عام بھی فرمائیں۔

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع بھی ان شاء اللہ ۳ تا ۶ اپریل ۸۱ء کو قرآن اکیڈمی میں ہوگا افتتاحی اجتماع ۳ اپریل کو بعد نماز مغرب منعقد ہوگا۔ ۴ اور ۵ اپریل ہر روز صبح و شام دو دو نشستیں ہوں گی۔ اور چھٹے تاریخ کو صرف ایک نشست صبح کے وقت ہوگی تمام رفقاء تنظیم کو اطلاع نامہ محترم قیم تنظیم اسلامی براہ راست ارسال فرمادیں گے۔ دعوتی کام کی توسیع و استحکام کے لئے ہر انقلابی و اصولی تنظیم کے سالانہ اجتماعات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان اجتماعات میں سالِ رفتہ کے کام کا جائزہ لیا جاتا ہے اور سالِ آئندہ کے لئے منصوبہ بندی ہوتی ہے اور اس طرح ان اجتماعات کے ذریعے تحریک کے کارکنوں میں ایک تازہ جوش و ولولے کے ساتھ منزل کی طرف پیش رفت کا عزم اور داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا توقع ہے کہ تمام رفقاء اس سالانہ اجتماع میں شرکت کا خصوصی اہتمام کریں گے

نئی تعلیمی اسکیم : معہد ثانوی

سال گذشتہ مئی ۸۰ء میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بھروسے پر قرآن اکیڈمی میں "معہد ثانوی" کے نام سے ایک اقامتی درسگاہ کا آغاز کیا گیا تھا۔ یہ اقامتی درس گاہ مڈل پاس طلبہ کے لئے جاری کی گئی تھی اور پیش نظر یہ تھا کہ ان کو اصلاً تو دو زبانیں پختہ طور پر پڑھائی جائیں گی یعنی عربی اور انگریزی اور ان کے علاوہ میٹرک کے لازمی مضامین یعنی اسلامیات، اردو اور مطالعہ پاکستان اور اختیاری مضامین میں سے جنرل سائنس اور جنرل ریاضی تو لازمی مضمون کی حیثیت سے البتہ اسلامی تاریخ اور شہریت (سوکس) میں سے کوئی ایک مضمون اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے گا۔ میٹرک کے امتحان کے لئے عموماً دو سال (درجہ نہم۔ دہم) رکھے جاتے ہیں۔ لیکن اس درس گاہ میں یہ مدت تین سال مختص کی گئی تھی۔ ایک سال کی زائد مدت اس لئے رکھی گئی تھی کہ طلبہ ان مضامین خصوصاً عربی اور انگریزی میں پختہ ہو جائیں۔ پھر پہلے دو سال کے بعد ان طلبہ کو پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دلوا دیا جائے اور تیسرے اضافی سال کے بعد ادیب عربی کا خصوصی امتحان بھی دلوا دیا جائے۔ اس طرح صرف ایک اضافی سال کے صرف سے دینی اور دنیوی

دونوں میدانوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کا راستہ کھل جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو اسی اسکیم کو آگے بڑھا کر ایک جانب پرائیویٹ بی۔اے اور دوسری جانب فاضل عربی کے امتحانات بھی دلوانے کے انتظامات کئے جاسکیں۔

اس درس گاہ کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ قوم کے نونہالوں کی تدریسی ضروریات کے ساتھ ساتھ ان کی دینی و اخلاقی تربیت کا بھی بھرپور اہتمام ہو تاکہ ان میں نہ صرف فرائض دینی کی ادائیگی کا احساس و شعور اور شعائر اسلامی کا احترام پختہ ہو اور صحیح اسلامی اخلاق نشو و نما پائیں بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ کی سعی و جہد کا جذبہ اور حصول شہادت کا ذوق و شوق بھی ان کے قلوب میں پروان چڑھے۔ اسی طریق کار پر عمل پیرا ہونے سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ان ہی طلبہ میں سے ایک طرف کچھ اعلیٰ معیار کے محققین و مصنفین پیدا ہوسکیں تو دوسری طرف دعوت و تحریک اسلامی کو مخلص کارکن مہیا ہوسکیں۔

آغاز کار مئی ۸۰ء میں آغاز کار کے طور پر صرف درجہ نہم کے لئے داخلہ کھولا گیا تھا۔ اس درجہ میں صرف ۱۴ طلبہ نے داخلہ لیا تھا جن میں سے ۲ طلبہ تو جلد ساتھ چھوڑ گئے ۱۲ طلبہ پابندی سے زیر تعلیم و تربیت ہیں اور ان میں سے اکثر طلبہ اکیڈمی کے ہوسٹل میں اقامت پذیر ہیں جن کے لئے الحمد اللہ نماز باجماعت، درس قرآن اور دیگر دینی مشاغل کے ساتھ ساتھ طعام کا بھی معیاری سطح پر انتظام ہے۔ غیر اقامتی طلبہ کے لئے ٹیوشن فیس پچاس روپے ماہانہ اور اقامتی طلبہ کیلئے فیس ڈھائی صد ماہانہ مقرر ہے۔ ان ذہین طلبہ کے لئے جن کے والدین اس ماہانہ خرچ کی استطاعت نہ رکھتے ہوں وظائف کے اجرا کا بھی انتظام ہے۔

نئے داخلے ان شاء اللہ العزیز مارچ کے وسط میں یہ طلبہ درجہ نہم کا سالانہ امتحان دیں گے اور کامیاب ہونے والے طلبہ کو درجہ دہم میں ترقی مل جائے گی اس طرح اپریل/مئی میں ان شاء اللہ درجہ نہم کے لئے نئے داخلے شروع ہوں گے جس کے لئے ذہانت شرط اوّل ہوگی۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی ذوق و شوق رکھنے والے وہ حضرات جو اپنی اولاد کو حقیقی مسلم و مؤمن اور ایک مخلص پاکستانی شہری کی حیثیت سے دیکھنے کے متمنی ہیں، وہ اپنے جگر گوشوں کو اللہ کے دین متین اور کتاب مبین کی خدمت کے لئے وقف کرنے کی نیت اور ارادے کے ساتھ اس درس گاہ میں داخل کرنے کے مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں اور پیش قدمی فرمائیں۔ اپنی جگہ ہم پوری کوشش

ڈاکٹر اسرار احمد

رسالت اور تکمیل رسالت

اور ہمارے فرائض

کل شکر اور تمام تعریف اللہ ہی کی ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک بھی ہے اور پروردگار و پالنہار بھی۔ اسی نے فضا اور خلا کی ناپیدا کنار وسعتیں پیدا کیں جن میں لاتعداد عظیم الجثہ کرّے اس کی تسبیح و تحمید کے راگ الاپتے لٹوؤں کی مانند رقص کر رہے ہیں اور اسی نے ہماری یہ زمین پیدا کی جس میں سر بفلک اور برف پوش پہاڑ بھی ہیں اور اتھاہ سمندر بھی، سبزہ و گل کی رنگا رنگ زیبائشیں اور آرائشیں بھی ہیں اور انواع و اقسام کے پھلوں اور میووں کے وسیع و عریض دسترخوان بھی، مزید برآں لکھوکھا قسم کے جاندار بھی ہیں جن کے دم سے بحر و بر اور فضا کی آبادی بھی ہے اور رونق و چہل پہل بھی۔

یہ زمین جب دلہن کی مانند آراستہ و پیراستہ ہو چکی تو اللہ نے اس میں خلافت کے فرائض کی انجام دہی کے لئے حضرت آدمؑ کو تخلیق فرمایا جو نوع انسانی کے مورثِ اعلیٰ اور جدِ امجد بھی ہیں اور اللہ کے پہلے نبی اور پیغمبر بھی — گویا روئے ارضی پر قافلۂ انسانیت اور قافلۂ نبوت و رسالت نے بیک وقت سفر کا آغاز کیا — چنانچہ ایک طرف نسلِ آدمؑ نے مادی و صنعتی اور تہذیبی و تمدنی ترقی کی منزلیں طے کیں تو دوسری طرف انسانوں کی عقلی و روحانی اور عملی و اخلاقی رہنمائی کیلئے حضرت نوحؑ حضرتِ ہود، حضرتِ صالح اور حضرتِ ابراہیم علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام ایسے جلیل القدر پیغمبروں کا ظہور ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے اپنا دوست بھی قرار دیا اور نوع انسانی کا امام بھی — انہوںؑ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو حجاز میں آباد کیا اور بیت اللہ کی خدمت ان کے سپرد کی اور دوسرے بیٹے حضرت اسحٰقؑ کو فلسطین میں آباد کیا، جن کے بیٹے حضرتِ یعقوبؑ تھے، جن کا لقب اسرائیل تھا۔ لہٰذا ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی اور حضرتِ ابراہیمؑ کے بعد لگ بھگ دو ہزار برس تک نبوت و رسالت کا سلسلہ

ان ہی میں جاری رہا - چنانچہ ان ہی میں سے حضرتِ موسیٰؑ تھے جنہیں تورات عطا ہوئی اور ان ہی میں سے حضرتِ داؤدؑ تھے جنہیں زبور عطا ہوئی ان ہی میں سے حضرتِ سلیمانؑ تھے جنہوں نے یروشلم میں اللہ کی عبادت کے لئے ہیکلِ سلیمانی تعمیر کرایا، جس کی بنا پر وہ شہر، بیتُ المقدس، کے نام سے پکارا جانے لگا - اس سلسلہ کا اختتام ہوا حضرتِ عیسیٰؑ پر جنہیں انجیل عطا ہوئی - ان کے رفعِ آسمانی کے بعد لگ بھگ چھ سو برس تک قافلۂ نبوّت و رسالت کا سفر رُکا رہا -

اس فترتؔ کے بعد بیتُ اللہ کے جوار، اور بنی اسمٰعیلؑ کے معزز ترین گھرانے میں ظہور ہوا اُن کا جن کے لئے نہ صرف یہ کہ انسانیّت اور نبوّت کے یہ دونوں قافلے چلائے گئے تھے بلکہ تخلیق و تکوین کے اس پورے سلسلے کا آغاز ہوا تھا بقول علاّمہ اقبال مرحوم ؎ "آیۂ کائنات کا معنیٔ دیر یاب تو نکلے تری تلاش میں قافلہائے رنگ و بو!"

یہ ہیں محبُوبِ ربّ العالمین، سیّدالاوّلین والآخرین، خاتم النبیّین، سیّدالمرسلین رحمۃٌ لِلعالمین جناب حضرتِ محمدؐ رسُول اللہ - صلّے اللہ علیہ وسلم - جن کی ذاتِ والاصفات میں انسانیّت نے بھی اپنی معراج کو پالیا، نبوّت بھی مرتبۂ اتمام و اختتام کو پہنچ گئی اور رسالت بھی درجۂ تکمیل پر پہنچ کر تا قیامِ قیامت دائم و قائم ہو گئی - اس لئے کہ آپؐ کی بعثت صرف اپنے زمانے یا کسی ایک ملک یا قوم یا نسل کی جانب نہیں بلکہ قیامت تک جاری و ساری اور پوری نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ہے - !فصلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واَصحٰبہٖ وسلّم !!!

آنحضورؐ معراجِ انسانیّت پر تو آغازِ وحی سے قبل ہی فائز ہو چکے تھے - جس کی گواہی ابنائے نوع نے بھی آپ کو الصّادق اور الامین کے خطابات کی صورت میں دی، اور آسمان سے بھی "وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ" کے الفاظ کی صورت میں آئی - عمر شریف چالیس سال کے لگ بھگ ہوئی تو آپؐ کی طبعِ مبارک پر خلوت گزینی کا غلبہ ہو گیا اور کچھ عرصہ غارِ حرا کی تنہائیوں میں غور و فکر اور سوچ بچار میں گزرا - تاآنکہ وہیں جبرائیل امینؑ تشریف لائے اور وحی کا آغاز ہو گیا اور آپؐ جبلِ نور کی بلندیوں سے اپنے مبارک کاندھوں پر نبوّت و رسالت کی گراں بار ذمّہ داریوں کا بوجھ اور دستِ مبارک میں وحیٔ آسمانی کی قندیل لئے اُترے، بقول مولانا حالی مرحوم ؎

اُتر کر حِراء سے سوئے قوم آیا   اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اس کے بعد تیرہ برس تک مکّہ میں قیام رہا جس کے دوران دعوت و تبلیغ، انذار و تبشیر اور وعظ و تذکیر کے مشقت بھرے مراحل بھی سر ہوئے اور دامنِ نبوت کے ساتھ رشتۂ ایمان کے ذریعے وابستہ ہو جانے والوں کے تزکیہ و تربیت اور تعلیم کتاب و حکمت کی منزلیں بھی طے ہوئیں۔ پھر کفر و انکار کی روش اختیار کرنے والوں کی جانب سے تشدّد و تعذیب اور اس کے ضمن میں صبر و مصابرت کی کٹھن وادیوں سے بھی گزرنا ہوا جن میں شعب ابی طالب کا تین سال کا محاصرہ و مقاطعہ بھی شامل ہے۔ جس کے دوران خاندان بنی ہاشم کے لئے فقر و فاقہ کے مصائب انتہا کو پہنچ گئے اور طائف کا طنز و استہزاء اور تشدّد و سنگباری بھی جو آپؐ کے ذاتی و شخصی ابتلاء کا نقطۂ عروج ہے ۔ تاآنکہ قدرتِ خداوندی سے یثرب کی جانب ایک راہ کھلی جس کے نتیجے میں ہجرت واقع ہوئی اور یثرب مدینۃ النبیؐ یا مدینہ منوّرہ بن گیا۔ لیکن آں حضورؐ اور آپؐ کے جاں نثاروں کی مکّہ سے مدینہ ہجرت کسی گوشۂ عافیت میں پناہ لینے کے لئے نہ تھی بلکہ اب آپؐ کی جدوجُہد ایک نئے دور میں داخل ہوئی اور اقدام و عمل کا ایک نیا مرحلہ شروع ہوا جس نے ڈیڑھ دو سال کے اندر اندر حق و باطل کے مابین مسلح تصادم کی صورت اختیار کرلی۔ چنانچہ آٹھ سال سے بھی کم مدّت میں دوسرے بہت سے چھوٹے سرایا کے علاوہ بدر اور احد کے عظیم معرکے پیش آئے، پھر غزوۂ احزاب کا صبر آزما محاصرہ اور مقابلہ ہوا جس کے دوران فقر و فاقہ اور خطرات و خدشات کی صورت میں تمام اہل ایمان کے لئے صبر و ثبات کا امتحان آخری حد کو پہنچ گیا۔ چنانچہ اس کے بعد صورت حال بدلی اور اس عظیم آزمائش میں کامیابی کے انعام کے طور پر صلح حدیبیہ کی صورت میں اللہ تعالےٰ نے فتح مبین عطا فرمائی جو ایک جانب فتح مکّہ اور اندرونِ ملک عرب انقلابِ محمدیؐ کی تکمیل اور دوسری جانب بیرونِ ملک دعوتِ نبویؐ کی توسیع کی تمہید بن گئی۔ جس کے نتیجے میں پہلے غزوۂ موتہ ہوا اور پھر سفرِ تبوک پیش آیا۔ گویا کل بائیس ۲۲ سال کی مختصر مدّت میں آں حضورؐ نے نہ صرف یہ کہ وسیع و عریض جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کے دین کا بول بالا کر دیا چنانچہ اللہ ہی کا کلمہ سربلند اور اُسیؐ کی بات سب سے اونچی ہوگئی اور دینِ حق کا کامل غلبہ اور بتمام و کمال نفاذ ہوگیا، بلکہ اپنے مشن کے بین الاقوامی یا عالمی مرحلے کا آغاز بھی آں حضورؐ نے بنفسِ نفیس خود فرمایا۔ اور اس کی تکمیل کی ذمّہ داری کو اُمّت کے حوالے فرما کر رفیق اعلیٰ کی جانب مراجعت اختیار فرمالی۔ فصلی اللہ علیہ وسلم

خطبۂ حجۃ الوداع میں آنحضورؐ نے اپنی تعلیمات کے اہم نکات کو آخری مرتبہ تکرار و تاکید ذہن نشین کرانے کے بعد حاضرین سے ایک سوال کیا: "اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ" یعنی اے مسلمانو! میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا یا نہیں ہے جس کا جواب سوا لاکھ سے زائد حاضرین و سامعین نے بیک زبان دیا "اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ اَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ!" یعنی حضورؐ ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے نہ صرف حقِ تبلیغ ادا فرما دیا بلکہ حقِ امانت اور حقِ نصح و خیر خواہی بھی!! مزید تاکید و توثیق کے لئے آنحضورؐ نے یہی سوال تین بار کیا اور مجمع نے بھی یہی جواب تین بار دہرایا۔ اس کے بعد آپؐ نے نگاہ مبارک آسمان کی جانب اٹھائی اور انگشتِ شہادت سے پہلے آسمان اور پھر لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!" یعنی اے اللہ تو بھی گواہ رہ!— اور پھر نہایت بلیغ پیرائے میں یہ ارشاد فرما کر کہ: "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ!" یعنی اب پہنچائیں وہ جو یہاں موجود ہیں انہیں جو یہاں موجود نہیں ہیں!— اپنے مقصدِ بعثت کے بین الاقوامی یا عالمی مرحلے کی تکمیل کو ابدالآباد تک کے لئے اُمّت کے حوالے فرما دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت پر ہر سال پوری دنیا میں مسلمان جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہیں اور محبت و عقیدت کے اظہار کے لئے گوناگوں صورتیں اختیار کرتے ہیں۔ کاش کہ اس موقع پر ہم پوری دیانت کے ساتھ اس امر کا جائزہ لیا کریں کہ نبی اکرمؐ کے ساتھ ہمارا تعلق درست بنیادوں پر استوار ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ اسی صحیح تعلق پر ہماری نجاتِ اُخروی کا دار و مدار ہے۔

آنحضورؐ سے ہمارے تعلق کی اصل اور اوّلین بنیاد "ایمان" ہے جس میں "اقرارٌ بِاللِّسَانْ" بھی ضروری ہے اس لئے کہ اسی پر دُنیا میں کسی کے مسلمان قرار پانے کا دار و مدار ہے۔ اور "تَصْدِيقٌ بِالْقَلْبْ" بھی اس لئے کہ یہ آخرت میں کسی مومن قرار پانے کے لئے لازمی ہے! اللہ کے فضل سے زبانی اقرار کی دولت تو ہمیں موروثی طور پر حاصل ہو گئی ہے لیکن لازم ہے کہ ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں کہ آیا آپؐ کی نبوّت و رسالت پر دلی یقین بھی موجود ہے یا نہیں!!

آں حضورؐ سے ہمارے تعلق کی دوسری اساس آپؐ کی تعظیم اور محبت ہے، اس

(بقیہ صـ۶۴)

خطبہ

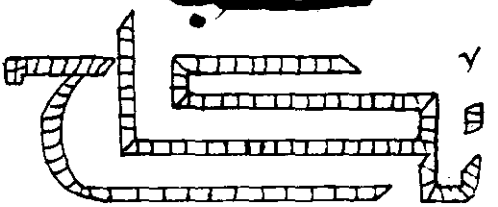

اور اس کا

ہماری معاشرتی زندگی سے تعلق

تقریر

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ترتیب: شیخ جمیل الرحمٰن

ہدیہ بموقع

عقدِ نکاح مسنونہ

عزیزم عارف رشید سلمہٗ

(خلف الرشید ڈاکٹر اسرار احمد)

و

عزیزہ اسماء سلمہا

(دخترِ نیک اختر قاضی عبدالقادر)

بتاریخ ۲۱ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۷ فروری سنہ ۱۹۸۱ء

بمقام جامع مسجد فاروق اعظمؓ شمالی ناظم آباد کراچی

خطبۂ نکاح اور ہماری معاشرتی زندگی

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جب کبھی کسی کا نکاح پڑھاتے ہیں تو خطبۂ نکاح کی اہمیت و حکمت پر بھی خطاب فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے چند خطابات راقم الحروف کے پاس ٹیپ میں محفوظ تھے۔ جن سے منتقل کرکے یہ اہم خطاب استفادۂ عام کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ (جمیل الرحمٰن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط اَمَّا بَعْدُ : فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَکُلَّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ج وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ۝ (سورۂ نساء آیت ۱)

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ سُوْرَۃِ اٰلِ عمران : (۱۰۲)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ سُوْرَۃِ الْاَحْزَابِ : (۷۰-۷۱)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :

"اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ!"

وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ!"

حضرات گرامی !

یقیناً آپ حضرات کو بہت سی مجالسِ نکاح میں شرکت کا موقع ملا ہوگا اور آپ کا مشاہدہ یہ ہوگا کہ بالعموم خطبۂ نکاح یا تو اس طرح پڑھا جاتا ہے کہ صرف دُولہا اور آس پاس کے چند لوگ ہی اُس کو سُن پاتے ہیں۔ یا پھر نکاح کی مجلس مسجد میں منعقد ہو اور لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ پڑھا جائے تو اس طرح خطبۂ نکاح کو تمام ہی شرکاء سُن لیتے ہیں اور اُن کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اِس خُطبۂ نکاح میں قرآن حکیم کی چند آیات اور چند احادیث پڑھی گئی ہیں، لیکن چونکہ بدقسمتی سے عموماً شرکاء کی کثیر تعداد عربی سے نابلد ہوتی ہے، لہٰذا اُن لوگوں کو اس بات کا کوئی شعور حاصل نہیں ہوتا کہ ان آیات کا مفہوم و مطلب کیا ہے اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان آیات کا خطبۂ نکاح کے لئے کس عظیم مصلحت و افادیت کے پیشِ نظر انتخاب فرمایا ہے اور نہ ہی اُن کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا ہماری معاشرتی زندگی سے کیا ربط و تعلق ہے اور خاص طور پر اِن آیات میں اس دُولہا کے لئے کیا نصائح، ہدایات، تذکیر اور رہنمائی موجود ہے۔ جو اس نکاح کے ذریعے عائلی زندگی میں قدم رکھ کر ایک نئے خاندان کے وجود میں آنے کی بنیاد بن رہا ہوتا ہے۔

اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح کی جو اصل غایت ہے، وہ کسی طرح بھی پوری نہیں ہوتی۔ سیرتِ مطہرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا طریقہ یہ تھا کہ جہاں کہیں بھی مسلمان جمع ہوتے تھے، اور یہ جمع ہونا آپ کو معلوم ہے کہ ہماری معاشرتی زندگی میں بالعموم خوشی کے مواقع پر بھی ہوتا ہے اور غمی کے مواقع پر بھی — تو آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معمول یہ تھا کہ ایسے اجتماعات میں موقع و محل کی مناسبت سے حضورؐ عموماً کچھ تذکیر و نصیحت فرمایا کرتے تھے تاکہ دین کے اہم اُمور کی یاددہانی ہو جایا کرے

خطبۂ جمعہ کی حکمت شاید آپ کو معلوم ہو کہ خطبۂ جمعہ کی غرض و غایت بھی یہی تذکیر (یاددہانی) ہے۔ مسلم شریف میں روایت آتی ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم خطبۂ جمعہ میں لوگوں کو تذکیر اور قرآنِ حکیم کی قرأت فرمایا کرتے تھے: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ ۔ اسی طرح خطبۂ نکاح کی بھی اصل غرض و غایت تذکیر و نصیحت اور موعظتِ حسنہ ہے، ورنہ جہاں تک قانون کا تعلق ہے عروس کی رضامندی اُس کے وکیل کے ذریعے معلوم ہونے پر گواہوں کے سامنے اعلانِ عام کے ذریعہ

نکاح خواں ایجاب اور دولہا قبول کرتا ہے جو نکاح کے لئے کفایت کرتا ہے۔

انسانی نفسیات کا یہ پہلو بھی ہے کہ بہت سی باتیں انسان کو پہلے سے معلوم ہوتی ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں ان باتوں کو مانتا ہوں، تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن ان میں سے اکثر ضروری باتیں اس کے شعور میں تازہ نہیں رہتیں۔ تذکیر کا مقصد دراصل ان ہی حقائق کو یاد دلانا اور اُن کو اُجاگر کرنا اور ذہن و شعور میں پھر تازہ کرنا ہوتا ہے۔ خطبۂ جمعہ چونکہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے اور سامعین عربی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا خطبۂ جمعہ کی اصل غرض و غایت پوری نہیں ہوتی۔ زُبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم! والا معاملہ درپیش ہوتا ہے تو اسی وجہ سے اصل خطبہ سے قبل وعظ کا سلسلہ شروع کیا گیا اور ایک مسلک کی طرف سے خطبۂ جمعہ مقامی زبان میں دینے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ یہ طریقہ دراصل اس اصول کے تحت اختیار کیا گیا کہ : مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ۔ اگر کوئی چیز بتمام و کمال نہ ہو سکے تو اس کو بالکل چھوڑ بھی نہیں دینا چاہیئے۔ جو کچھ حاصل کیا جا سکے، وہ ضرور حاصل کرنا چاہیئے!

خطبۂ نکاح کی حکمت | پس خُطبۂ نکاح بھی درحقیقت تذکیر کے لئے ہے۔ یہ تذکیر خاص طور پر اس شخص (یعنی دولہا) کے لئے بھی ہے جو اپنی زندگی کے ایک نئے دَور کا آغاز کر رہا ہوتا ہے۔ اور بہت سی نئی ذمّہ داریوں کا بوجھ اُس کے کاندھوں پر آ رہا ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایک خاندان کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ معاشرے کے لئے خاندان کا ادارہ بمنزلہ ایک اکائی ہوتا ہے۔ معاشرہ دراصل نام ہی بہت سے خاندانوں کے مجموعے کا ہے۔ اگر خاندان کا ادارہ درست اور مستحکم بنیادوں پر اُستوار ہو، اور اس کو اِس نہج پر منظّم کیا جائے جو ہمارے دین میں مطلوب ہے تو اس طرح لامحالہ معاشرہ صالح خطوط پر پروان چڑھے گا۔ خاندان کی جو کیفیات ہوتی ہیں درحقیقت ان ہی کا عکس معاشرے پر پڑتا ہے۔ کسی معاشرے میں صالح خاندانوں کی اکثریت ہوگی تو معاشرہ بھی مجموعی طور پر اعلیٰ اقدار اور صالحیت کا حامل ہوگا۔ اس کے برعکس اگر خاندانوں کی اکثریت میں بگاڑ ہو، وہ ہی صحیح خطوط پر اُستوار نہ ہوں تو لازماً مجموعی طور پر معاشرہ بھی بگڑا ہوا معاشرہ ہوگا۔ لیکن چونکہ دُولہا جس کو تذکیر و نصیحت اصلاً مقصود ہے، عربی سے نابلد اور شرکاء بھی جو اس تذکیر سے مستفید ہونے چاہئیں عربی سے ناواقف۔ نتیجہ یہ کہ خطبۂ

نکاح بھی محض ایک "رسم" بن کر رہ گیا ہے۔ ("رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی!")

سُنّتِ رسولؐ | نکاح کے ذریعے جو ایک خاندان کی بنیاد پڑ رہی ہوتی ہے تو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معمول تھا کہ خطبۂ نکاح میں قرآن مجید کی چند آیات کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ اِس لئے کہ اصل تذکیر کا ذریعہ قرآن مجید ہی ہے، سورۂ قٓ کا اختتام ہی تذکیر بالقرآن کے تاکیدی حکم پر ہوتا ہے۔ وہاں فرمایا: فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ "پس (اے نبی!) تذکیر کرائیے قرآن کے ذریعے سے، اُس کو جو میری پکڑ سے ڈرتا ہو!"

ابھی مَیں نے آپ کو خُطبۂ جمعہ کے متعلق حدیث سنائی تھی کہ: كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ۔ سیرتِ مُطہّرہ میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہی معمول خطبۂ نکاح کے سلسلہ میں بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ مَیں نے خطبۂ مسنونہ کے بعد قرآن کی جن آیات کی قرأت کی ہے، روایات سے مسوّر ہوتا ہے کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم خطبۂ نکاح میں عموماً اِن آیات کی قرأت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ سرسری طور پر غور کرنے سے ان آیات کی قرأت کی حکمتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اگر معاملہ یہ ہوتا کہ حُصولِ برکت کے لئے چند آیات پڑھ لی جائیں تو اس اعتبار سے سورۂ فاتحہ ہونی چاہئے یا* سورۂ اخلاص ہونی چاہیئے جس کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا ہے۔ لیکن معاملہ یہ نہیں ہے، اس موقع پر قرآن مجید کی آیات کی قرأت محض حُصولِ برکت یا روایت کے طور پر نہیں ہے۔ بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم خطبۂ نکاح میں عموماً سورۃ النّساء کی پہلی آیت، سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۲ اور سورۃ الاحزاب کی آیات ۷۰، ۷۱ کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ مجلسِ نکاح میں اِن آیات کی قرأت سے دراصل وہ تذکیر و نصیحت مقصود ہے جو اس شخص کے لئے نشانِ منزل اور موجبِ رہنمائی ہے جو زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر قدم رکھ رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مجلسِ نکاح میں صرف خُطبۂ نکاح پڑھنے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اُن احکام اور حکمتوں کو بھی بیان کیا جائے جو قرآنِ حکیم کی اِن آیات میں مضمر ہیں اور جن کی بطورِ تذکیر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم قرأت فرمایا کرتے تھے ——— مَیں آگے جب اِن آیات کی مختصر طور پر کچھ شرح کروں گا تو اِن شاء اللہ نکاح کے موقع پر ان آیات کی قرأت کی

---

*: جوامع القرآن بلکہ بجائے خود "قرآنِ عظیم" ہے،

حکمتیں آپ کے سامنے آجائیں گی۔

تقویٰ کا ہمارے دین میں مقام | اِن آیات کی تشریح و تفہیم سے قبل میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ اس اہم بات کی طرف مبذول کراؤں کہ اِن آیات میں لفظ تقویٰ بتکرار آیا ہے۔ لفظِ "تقویٰ" ہمارے دین کی اہم ترین اور جامع ترین اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔ اصطلاحات کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ کسی زبان کی اصطلاح کا ترجمہ و مفہوم کسی دوسری زبان میں ایک لفظ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ قرآن مجید کے اُردو تراجم میں تقویٰ کا ترجمہ عام طور پر "پرہیزگاری۔ ڈرنا اور بچنا" کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِن میں سے کسی لفظ سے بھی ان معانی و مفاہیم کے بیان کا حق ادا نہیں ہوتا، جو تقویٰ کی دینی اصطلاح میں شامل ہیں۔ اِس لفظ کی شرح حضرت اُبیّ ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی فصاحت و صراحت اور بہت ہی قابلِ فہم انداز میں فرمائی ہے۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک مجلس میں امیر المؤمنین فاروق اعظم حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظِ "تقویٰ" کا مطلب دریافت فرمایا۔ جس کے جواب حضرت اُبیّ ابن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ تشریح بیان کی کہ :

> "یا امیر المؤمنین! جب کسی شخص کو جنگل کی ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو، جس کے دونوں اطراف میں خار دار جھاڑیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اس راستے کو اس طرح طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اُس کے کپڑے جھاڑیوں اور اُن کے کانٹوں سے اُلجھنے نہ پائیں۔ اِس احتیاطی رویّے کو عربی میں "تقویٰ" کہتے ہیں!" (اوکما قال)

فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس تشریح و مفہوم کی تصویب و توثیق فرمائی اور حضرت اُبیّ ابن کعبؓ کو داد بھی دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دُنیوی زندگی کی پگڈنڈی پر ہمارے دائیں اور بائیں یعنی دونوں اطراف میں شہوات، لذّات اور معاصی کی خار دار جھاڑیاں موجود ہیں۔ اِثم و عُدوان کی ترغیبات و تحریصات کا کوئی شمار نہیں۔ ایک بندۂ مؤمن اللہ تعالیٰ کے غضب اور سزا کے خوف اور اُس کے انعام، نگاہِ کرم، نظرِ ترحّم اور جزاء کے شوق سے نافرمانی کے ہر عمل سے بچتا ہوا اور دین کے تقاضوں اور مطالبوں کو ادا کرتا ہوا،

جب زندگی گزارنا ہے تو اس رویّے اور طرزِ عمل کا نام "تقویٰ" ہے اور اسی کو اختیار کرنے کی قرآن مجید میں دعوت و تاکید کی گئی ہے۔ اور خطبۂ نکاح کے موقع پر جو آیات پڑھی جاتی ہیں اُن میں اِسی تقویٰ کو اختیار کرنے کی ہدایت و حکم کو مرکزی مقام حاصل ہے۔

سُورۃ النّساء کی پہلی آیت | سُورۃ النّساء کے متعلق آپ میں سے اکثر حضرات کے علم میں یہ بات ہوگی کہ یہ سورۂ مبارکہ معاشرتی زندگی سے متعلق قرآن مجید میں انتہائی جامع سُورت ہے۔ خاندانی اور معاشرتی مسائل سے متعلق اس سورۂ مبارکہ میں بڑی تفصیلی ہدایات آئی ہیں۔ اِس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت انسانی معاشرے خصوصاً گھریلو زندگی کے لئے جامع عنوان کا مقام رکھتی ہے۔ لہٰذا اب آئیے اِس آیت کریمہ کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں، فرمایا:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ : اے بنی نوعِ انسان! اے لوگو! اپنے اُس ربّ (پروردگار اور پالنہار، ہادی و مُربّی) کا تقویٰ اختیار کرو۔ اُس کی پکڑ اور اُس کے محاسبے اور اُس کی سزا سے ڈرتے رہو! (چونکہ تم کو اُس کے حضور کھڑے ہو کر اپنے ہر عمل کی جو تم سے صادر ہوتا ہے اور ہر اُس قول کی جو تمھاری زبان سے نکلتا ہے جواب دہی کرنی ہے۔ بفحوائے آیتِ قرآنی : مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ)۔ آیت کے اس حصّہ میں نوعِ انسانی کو اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم اور ہدایت و دعوت دی گئی ہے۔ یہی تقویٰ دراصل دین کی جڑ اور اساس ہے۔ بلکہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تو فرمایا کہ تقویٰ راس الحکمہ ہے۔ دانائی اور حکمت اسی تقویٰ کی مرہُونِ منّت ہوتی ہے۔ رَاْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ (حدیث)[1] آگے فرمایا: اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ج "(اپنے اُس ربّ کی پکڑ اور محاسبے سے ڈرتے رہو!) جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اُسی جان میں سے اُس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو اس دنیا میں پھیلا دیا۔!" (مراد ہیں حضرت آدم علیہ السّلام، اور حضرت حوّا جن سے یہ پُوری نسلِ انسانی چل رہی ہے)۔ اِس آیت کے پہلے حصّے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رُبوبیّتِ کاملہ اور تخلیقِ تامّہ کے حوالے سے نوعِ انسانی کو اپنا تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے، کیونکہ جو حقیقتِ نفس الامری کے اعتبار سے حقیقی مُربّی اور خالق ہے

---

[1] حکمت کی اساس خوفِ خدا ہے۔

اُسی کا یہ استحقاق ہے کہ اُس کی نافرمانی سے بچا اور اُس کی سزا سے ڈرا جائے ـــــ اِس آیتِ کریمہ کے اس ابتدائی حصّے میں اِس اہم اور بُنیادی امر کی طرف بھی رہنمائی دے دی گئی کہ پُوری نسلِ انسانی ایک ہی جوڑے (حضرت آدمؑ اور حوّا) کی اولاد ہیں۔ گویا وحدتِ انسانی کی جو دو حقیقی بنیادیں ہیں وہ بھی اسی چھوٹے سے ٹکڑے میں انتہائی جامعیّت سے بیان فرما دی گئیں۔ سارے انسان جو آفرینشِ عالم سے تاحال پیدا ہوئے اور جو تا قیامِ قیامت پیدا ہوں گے، اُن کا ربّ اور خالق صرف اللہ! اور تمام انسان ایک ہی جوڑے کی ذُرّیّتِ حقیقی اور ایک ہی گھرانا ہے۔ دُنیا نے رنگ و نسل اور لسان و وطن کی جو بنیاد قائم کر رکھی ہے[1] دولت و ثروت اور وجاہت کو جو تفریق و امتیاز کا سبب بنا رکھا ہے تو اِس کی امرِ واقعہ میں کوئی قیمت ہی نہیں۔ چونکہ تمام انسان ایک ہی جوڑے کی نسل سے ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہاں شرف کا ایک مقام ہے اور وہ ہے تقویٰ۔ اسی بات کو سورۃ الحجرات میں مزید وضاحت سے بایں الفاظ بیان فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ	اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک
ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا	عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف قومیں
وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ	اور خاندان بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے کو
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ	شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں
عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (آیت ۱۳)	زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ

پرہیزگار اور (اللہ سے) ڈرنے والا ہو بے شک اللہ ہی سب کچھ جاننے والا پورا خبردار ہے

اِس آیت سے واضح ہوا کہ خاندانی تفوّق اور تفاخُر کا زعم، زعمِ باطل ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں شرافت و کرامت کا اصل معیار تقویٰ ہے۔

آگے چلیے! اسی آیت میں تقویٰ کا دوبارہ حکم دیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاۗءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ "اور اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ تم ایک دوسرے کو دیتے ہو اور بچو قطعِ رحم سے!" غور کرنا چاہیے کہ اِس آیتِ مبارکہ میں تقویٰ کے حکم کی تکرار کیوں ہے! ویسے تو زندگی کے تمام معاملات کی اصلاح کا دار و مدار تقویٰ پر ہی ہے تقویٰ نہیں ہے تو سیاست بھی بے ایمانی اور ظلم و تعدّی بن جائے گی۔ تقویٰ نہیں ہے تو دینداری بھی سوداگری بن جائے گی۔ تقویٰ نہیں ہے تو تولنے والا ڈنڈی مارے گا، ناپنے والا

---

[1] اس کو قرآن حکیم صرف تعارف کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

کمی کرے گا۔ تاجر اور صنعت کار دھوکہ اور فریب سے کام لے گا۔ ضروریاتِ زندگی کی ذخیرہ اندوزی کر کے اُس کی بازار میں مصنوعی قلّت پیدا کرے گا اور پھر مُنہ مانگے داموں پر بازار میں لائے گا۔ تقویٰ نہیں ہے تو لوگ غذا اور ادویات میں ملاوٹ کریں گے۔ مشہور برانڈوں کی جعلی نقل بنائیں گے۔ تقویٰ نہیں ہے تو ملازم پیشہ اور مزدور مالکوں کی حق تلفی کریں گے، اور کام چوری کریں گے۔ غرض کہ زندگی کے ہر معاملے اور ہر گوشے میں تقویٰ کی اشد ضرورت ہے۔ اِس کے بغیر زندگی صحیح نہج پہ استوار نہیں ہوگی۔ لیکن خاص طور پر گھریلو زندگی کا معاملہ ایسا ہے کہ زندگی کے بقیہ گوشوں میں کسی حد تک قانون کی عملداری ہو سکتی ہے۔ پولیس کا عمل دخل ہے، عدالتوں کا عمل دخل ہے۔ کسی پر ظلم د زیادتی ہوئی ہے تو داد رسی کے لئے عدالتوں کا کُنڈا کھٹکھٹایا جا سکتا ہے۔ اور کسی نہ کسی درجہ میں یہ مختلف عملداریاں مؤثر بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن گھریلو زندگی کا معاملہ ایسا ہے کہ اِس دائرے میں قانون کے جو ادارے ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، اُن کا عمل دخل بہت ہی کم ہے۔ گھر کی چار دیواری میں واقعہ یہ ہے کہ اگر تقویٰ موجود ہو تو معاملات درست رہیں گے۔ ورنہ سوچئے کہ کس نظام میں یہ ممکن ہے کہ ہر گھر میں ایک سپاہی مقرر کیا جا سکے، جو دیکھتا رہے کہ کوئی زیادتی تو نہیں ہو رہی۔ ایک دوسرے کے حقوق پامال تو نہیں ہو رہے کوئی شخص اپنی زبان کا غلط استعمال کرتا ہے۔ اُٹھتے بیٹھتے وہ اس زبان کے ذریعے ظلم اور زیادتی کر رہا ہے۔ طعن و تشنیع جس نے اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے تو آخر کون سا قانون ہے جو اس کے آڑے آسکتا ہے، اور کون سی پولیس ہے جو اس کو اس سے باز رکھ سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ گھریلو زندگی کا دائرہ وہ ہے کہ جس میں تقویٰ اور آخرت کی جواب دہی کا شعور و ادراک اور ایمان و ایقان ہی معاملات کو درست رکھ سکتا ہے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ : "انسان کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اُس کے پاس ہی ایک ہوشیار نگران تیار ہوتا ہے!" یہ بات اگر ہوگی تو دونوں فریق، شوہر اور بیوی اور ان کے اعزّہ و اقارب محتاط رہیں گے۔ شوہر بھی اپنے فرائض احساسِ ذمہ داری سے بجا لائے گا اور بیوی کے حقوق بحسن و خوبی ادا کرے گا اور بیوی بھی صحیح طور پر اپنے خاوند کے حقوق ادا کرے گی اور اپنے فرائض کو بجا لائے گی۔ اعزّہ و اقارب بھی اپنے اپنے اُن فرائض و حقوق کا لحاظ رکھیں گے جو شریعتِ حقّہ نے اُن کے لئے مقرر کئے ہیں۔ پس معلوم

ہوا کہ عائلی اور خاندانی زندگی میں تقویٰ کو وہ مقام حاصل ہے جس کے بغیر گھر گرہستی اور خاندانی نظام کا پورے سکون و اطمینان سے چلنا عملاً ناممکن اور عقلاً محال ہے۔

اب آئیے! اس آیت کریمہ کے اس حصّے کو مزید سمجھنے کی کوشش کریں۔ چونکہ میں نے اب تک وَاتَّقُوا اللّٰہَ پر اس لحاظ سے گفتگو کی ہے کہ غور کا مقام یہ ہے کہ اسی آیت میں تقویٰ کا حکم بتکرار کیوں آیا ہے۔ آیت کا پورا ٹکڑا یوں ہے: وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ط "اور ڈرو اُس اللہ سے جس کا واسطہ تم ایک دوسرے کو دیتے ہو اور بچو قطعِ رحم سے!" یہاں بڑا لطیف اور مؤثر انداز اختیار فرمایا گیا ہے۔ عام طور پر مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ اکثر جب کہیں گھریلو معاملات میں ناچاقی ہو جائے تو عدمِ موافقت اور اختلاف کو ختم کرانے اور مٹانے کے لئے بالآخر خدا کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ خاندان کے بزرگ دونوں فریقوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ: "خدا کے واسطے باز آجاؤ، خدا کے لئے مان جاؤ، اختلافات ختم کرو، صلح صفائی کرلو، خدا کے واسطے ایک دوسرے کی زیادتی کو معاف کردو، خدا کے لئے آئندہ احتیاط کرو، ایک دوسرے کے حقوق اور جذبات و احساسات کا خیال رکھو، خدا کے لئے درگزر سے کام لو وغیرھا"۔ تو جس خدا کا تم کو واسطہ دیا جاتا ہے یا جس خدا کی تم ایک دوسرے کو دُہائی دیتے ہو، اگر اُس خدا کا تقویٰ تم پہلے سے اختیار کرو، اس کے احکام پر کاربند رہو، جو حدود اُس نے معیّن کی ہیں، اُن حدود پر قائم رہو تو ایسے جھگڑے پیدا ہونے کی صورت بہت کم ہو جائے گی۔ اور اگر پیدا ہوئے بھی تو فوری طور پر نپٹ بھی جائیں گے اور طے بھی ہو جائیں گے۔

پس جس خُدا کا تم واسطہ دیا کرتے ہو، اُس کے احکام، اُس کے اوامر و نواہی اور اُس کی ہدایات و تعلیمات کی پابندی کرو۔ یہی اصلاً تقویٰ کی روش ہے، یہی دین میں مطلوب ہے، اور اس رَوِش کو اختیار کرنے کی برکت سے گھریلو جھگڑے اوّل تو کھڑے ہی نہیں ہوں گے، اور اگر ہو بھی گئے تو اللہ کے فضل سے جلد نمٹ جائیں گے!

آیت کے آخری حصّہ میں فرمایا: وَالْاَرْحَامَ ط "قطع رحمی سے بھی بچو!"۔ رحمی رشتوں کا احترام اور اُن کا پاس ہمارے دین میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ رحمی رشتوں کو کاٹنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اسلام کو ایک بہت ہی منظم اور صالح معاشرہ قائم کرنے

کے لیے اللہ تعالیٰ نے بطورِ نظام نازل فرمایا ہے : اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ —
اسلام ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے جس میں باہمی اُلفت ہو، مودّت ہو، ایک دوسرے کے لئے ہمدردی ہو، ایک دوسرے کے لئے اخوّت اور ایک دوسرے کے لئے احترام واکرام کا جذبہ موجود ہو- اسی مقصد کے لئے اُس نے خاندان کے ادارے کو مضبوط کیا ہے- اس خاندان کے ادارے کے دو عرض (DIMENSION) ہیں ایک طرف والدین اور اولاد کا تعلق ہے، دوسری طرف شوہر اور بیوی کا تعلق ہے- لہٰذا اگر ان دونوں اطراف کو صحیح بنیادوں پر اُستوار کر لیا جائے تو خاندانی نظام درست رہے گا- اور اگر کسی معاشرے میں معتد بہ تعداد درست اور صالح خاندانوں کی موجود ہو تو معاشرہ بھی صالح ہو گا- اور ایک صالح معاشرے کی برکات پورے طور پر رُوبعمل آئیں گی اور ان کا کاملاً ظہور ہو گا- والدین اور اولاد کے حقوق کی قرآن حکیم میں بڑی اہمیت بیان ہوئی ہے- اِس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ملحق کر کے والدین کے حق کا ذکر فرمایا ہے- چنانچہ سُورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا : وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط (آیت ۲۳) "اور تیرے ربّ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا کرو!" — سورۂ لقمان میں فرمایا : اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ (آیت ۱۴) "کہ تو میرا شکر گزار بن اور اپنے والدین کا بھی!" اس سے اندازہ کیجئے کہ والدین کے حُقوق کی کس قدر اہمیت و تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حق سے ملحق کر کے والدین کے حقوق کا ذکر فرماتا ہے- اسی طرح اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان محبّت و اُلفت اور مودّت کا صحیح تعلّق قائم ہو- دونوں اپنے فرائض کو ادا کر رہے ہوں، اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی پورے اہتمام کے ساتھ ہو رہی ہو- جس کی برکت سے اِن شاء اللہ کوئی نزاع ہی پیدا نہیں ہو گا- یہ ہیں خاندان کے ادارے کے دو عرض- تیسرا عرض ہے قرابت داری کے رشتوں کا احترام اور اُن کے حقوق کا لحاظ اور اُن کی ادائیگی- چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آپ دیکھیں گے کہ والدین کے بعد قرابت داروں کے حقوق کا ذکر آئے گا- جیسے فرمایا : وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ یہاں "وَالْاَرْحَامَ" فرما کر ان تمام رحمی رشتوں کی پاسداری کرنے، لحاظ رکھنے،

ان کی ادائیگی کا اہتمام کرنے اور اُن کی پامالی سے بچنے کی ہدایت دے دی گئی۔ اس آیتِ مبارکہ کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ۝ "بے شک اللہ تمھاری نگرانی کر رہا ہے!" یعنی جان لو کہ تمھارا ایک ایک عمل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ تمھارے عمل کا کوئی محاسبہ نہیں ہوگا اور تمھارے اعمال و اقوال کا کوئی ریکارڈ تیار نہیں ہو رہا۔ بلکہ جیسا کہ میں سورۂ قٓ کی یہ آیت دو بار آپ کو سُنا چکا ہوں کہ:۔ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۝ : جو بات بھی زبان سے نکلتی ہے وہ ریکارڈ ہو رہی ہے۔ لکھنے والے موجود ہیں جو اُس کو لکھ رہے ہیں! یہی بات سورۃ الانفطار میں فرمائی: وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ۝ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ "اور بلاشبہ تم پر نگران مقرر ہیں۔ ایسے معزز کاتب جو تمھارے ہر فعل و عمل کو جانتے ہیں!"

مغربی تہذیب کا المیہ خدا فراموشی اور ہدایتِ ربّانی سے محرومی کے باعث مغربی تہذیب جس کرب اور المیہ سے دوچار ہے، ہماری عظیم اکثریت کو اس کا پتہ ہی نہیں۔ ہم ان ممالک کی ظاہری شان و شوکت اور جاہ و حشمت دیکھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دُنیا میں ان سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔ "دُور کے ڈھول سُہانے ہوتے ہیں!" کے مصداق اُن کے ٹھاٹھ باٹھ اور تمدّنی ترقّی سے ہم اتنے مرعوب ہیں کہ ہمیں اُن کے آلام و مصائب کا اندازہ ہی نہیں ہوتا اور ہم اس مغالطے میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہاں ہر طرح سُکھ، چین اور سکون و اطمینان ہے۔ حالانکہ اِس خدا ناآشنا تہذیب کا قریبی مشاہدہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ان خدا فراموش ممالک میں خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے جس کی وجہ سے پورا معاشرہ انتہائی کرب اور دُکھ میں مبتلا ہے۔ وہاں آزادانہ شہوت رانی کا دَور دَورہ ہے، لہٰذا شادی بیاہ کا بکھیڑا کون مول لے۔ جن لوگوں میں سابقہ روایات کا کچھ پاس ہے، وہ شادی کا بندھن اختیار کرتے ہیں، تو اُن میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ شوہر بیوی سے نالاں اور اس کی عصمت و عفّت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا اور بیوی شوہر سے بیزار اور اُس کے باوفا ہونے کے بارے میں شکوک۔ مزید برآں اوّل تو مانعِ حمل تدابیر سے اولاد کے جھمیلے سے بچاؤ ہوتا ہے۔ لیکن کسی کو اولاد کی چاہت ہوئی بھی تو اکثریت کے بچّے نرسریوں (NURSARIES) میں پرورش پاتے ہیں۔ لہٰذا محبّتِ مادری اور شفقتِ پدری سے

یکسر محروم، اور اولاد کے دل والدین کی محبّت اور احترام سے بالکل خالی - والدین جب بوڑھے ہوجاتے ہیں تو اُن کے دلوں میں اولاد کی محبّت کا خوابیدہ جذبہ بیدار ہوتا ہے- لیکن اولاد کا حال یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت تو کُجا، اُن سے ملنے اور اُن کے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کے لیۓ فرصت اور وقت ہی نہیں- بوڑھے ماں باپ اولاد کی شکل دیکھنے کے لیۓ سالوں ترستے رہتے ہیں- وہاں ایسے بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لیۓ جن کی بیویاں یا شوہر وفات پاچکے ہوں اور جو تنہا رہ گئے ہوں، ہوسٹل قائم ہیں تاکہ وہ دوسرے بوڑھوں اور بوڑھیوں کی معیّت میں تنہائی کے احساس کو مٹا سکیں- یہ ہے خاندانی نظام کے برہم ہونے کی نقد سزا جو مغربی معاشرہ بھگت رہا ہے-

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں بھی جو لوگ مغربی تہذیب کے اندھے مقلّد ہیں اور اُس کی تمدّنی ترقّی سے جن کی نگاہیں خیرہ ہوچکی ہیں- جن کے ذہن وقلب اُس خدا ناآشنا تہذیب سے مرعوب ہیں- پھر یہ لوگ مسلمان ہوتے ہوۓ بھی اپنے دین کی تعلیمات سے کوسوں دُور ہیں- وہ بھی اسی المیہ اور کرب میں مبتلا ہیں کہ جس اولاد کو بڑے لاڈ پیار سے پالا پوسا تھا - اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی- جس کے لیۓ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا تھا ان میں سے بھی اکثریّت کو مکافاتِ عمل کے اِسی قاعدے سے سابقہ پیش آتا ہے کہ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے- یہ لوگ بھی اولاد کی شکل دیکھنے کو ترستے ہیں اور یہ حسرت لیۓ ہوۓ دُنیا سے رُخصت ہوتے ہیں کہ اُن کی اولاد بڑھاپے میں اُن کے پاس بیٹھے، اُن کو کچھ وقت دے اور اُن کی دلجوئی کرے- جب ماں باپ کے ساتھ یہ ناروا رویّہ وسلوک ہو تو بھلا قرابت داروں کے ساتھ حُسنِ سُلوک اور اُن کے حُقوق کی ادائیگی کا کیا سوال! یہ ہے ہدایتِ ربّانی کو پسِ پُشت ڈالنے کی نقد سزا جو دُنیا ہی میں بھگتنی پڑتی ہے- آخرت میں دائمی طور پر ایسے لوگ جس دردناک انجام سے دوچار ہونے والے ہیں، وہ علیحدہ ہے ؛

سُورۂ آلِ عمران کی آیت روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خُطبۂ نکاح میں نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ——— سورۂ آلِ عمران کی اِس آیت کی بھی قرأت فرماتے تھے : يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (آیت ۱۰۲) "اے ایمان والو! اللّٰہ کا تقویٰ (ڈر) اختیار کرو جیسا کہ اُس کا تقویٰ اختیار کرنے (اُس سے ڈرنے) کا حق ہے، اور تم کو موت نہ آئے مگر اِس حال میں کہ تم

(اللہ کے) فرمانبردار ہو!"

غور فرمایئے! کہ اِس آیت میں بھی اہلِ ایمان کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور اس حکم کو مؤکّد کرنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ تقویٰ بھی معمولی تقویٰ مطلوب نہیں بلکہ تقویٰ پوری حدود و قیود کے ساتھ مطلوب ہے۔"حَقَّ تُقٰتِہٖ" کی شان والا تقویٰ درکار ہے۔ ہم اور آپ تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔ ہمیں خیال ہی نہیں آتا کہ یہ حکم ہم سے کیا مطالبہ کر رہا ہے۔ لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب یہ آیت سُنی تو وہ لرز اُٹھے۔ وہ جانتے تھے کہ تقویٰ کا اصل حق ادا کرنا جُوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے فریاد کی کہ ہم تو مارے گئے۔ ہم میں سے کون ہوگا جو تقویٰ کا پورا حق ادا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مومنین صادقین کی دلجوئی اور اطمینان کے لئے سورۂ تغابُن میں وضاحت فرمائی کہ : فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (آیت ۱۶) یعنی انسان حدِّ استطاعت تک ہی مُکلف ہے۔ انسان خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تقویٰ کی روش اختیار کرنے کی سعی کرتا رہے۔ شعوری طور پر اس کی نافرمانی سے مجتنب رہے تو بربنائے بشری اس سے جو لغزشیں ہوں گی ان کو اللہ تعالیٰ اپنی شانِ غفّاری و رحیمی کے طفیل معاف فرما دے گا۔ لیکن کس کو کتنی استطاعت ملی ہے، اِس کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا۔ بندہ اگر اِس مغالطہ میں مبتلا ہوگیا کہ مجھ میں فلاں فرائض دینی انجام دینے کی استطاعت ہی نہیں تو جان لیجئے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور ایسے شخص کو آخرت میں سخت ترین محاسبہ سے لازماً سابقہ پیش آکر رہے گا، اور ایسا شخص انجام کے لحاظ سے سخت خسارے میں رہے گا۔

خطبۂ نکاح کے موقع پر اس آیت کی قرأت کی حکمت بادنیٰ تأمّل سمجھی جا سکتی ہے۔ مَیں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث آپ کو سُنا چکا کہ : رَاْسُ الْحِکْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ۔ نیز مَیں عرض چکا کہ ایک بندۂ مومن جادۂ حق پر تقویٰ کے بغیر قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ مزید یہ کہ ہمارے دین میں تقویٰ کا جو مفہوم ہے وہ حضرت اُبیؓ ابن کعبؓ کے حوالے سے بھی بیان کر چکا۔ اِن تمام اُمور کو سامنے رکھئے اور پھر غور کیجئے کہ خاندانی اور عائلی زندگی میں تقویٰ ایک مسلمان کے لئے کتنی عظیم اہمیّت کا حامل ہے۔ لہٰذا خطبۂ نکاح کے موقع پر اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت ایک ذی ہوش اور باشعور انسان کے لئے مشعلِ راہ بن سکتی ہے

اور اُس کو زندگی کے اِس نئے دائرے میں قدم رکھتے ہی یہ احساس ہو جاتا ہے کہ کتنی بھاری ذمّہ داریوں کا بوجھ اُس کے کاندھوں پر آرہا ہے اور اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ زندگی کی اِس نئی راہ کے لئے اُس کا اصل زادِ سفر اگر کچھ ہے تو وہ اللہ کے تقویٰ کے سوا کچھ نہیں۔

آگے چلئے! اسی آیت کے اختتام پر فرمایا کہ: وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ زندگی کے سفر میں کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کتنی مہلتِ عمر لے کر آیا ہے۔ لہٰذا آیت کے اس حصّہ میں یہ لطیف حقیقت بھی واضح فرمادی کہ اللہ کا تقویٰ صرف عارضی اور وقتی طور پر مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ اسی تقویٰ اور فرمانبرداری کی رَوِش پر جینا اور مرنا ہے۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ابھی تو جوانی اور شباب کا عالم ہے اُمنگوں اور ولولوں کا زمانہ ہے۔ لہٰذا اب تو دل کے ارمان اور چاہت نکالنے کا دور ہے، نہیں ہرگز نہیں! تم کو کیا معلوم کہ قضاءِ الٰہی کب آجائے اور کب مہلتِ عمل ختم ہو جائے۔ لہٰذا زندگی کے ہر ہر لمحے کو خدا کی فرمانبرداری اور اطاعت میں گزارنے کا عزمِ مصمّم رکھو، اور تابعداری کی رَوِش ہمہ وقت اختیار کئے رکھو۔ تاکہ جب بھی موت کا فرشتہ آئے اور وہ اچانک بھی آسکتا ہے۔ تو اُس وقت بھی تم متقی اور فرمانبردار ہو اور اسی حال میں آخرت کی منزل کی طرف رحلت کرو، جو ہر انسان کی حقیقی زندگی کا دائمی گھر ہے: وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ عنکبوت ۶۴)

سُورۃ الاحزاب کی دو آیات روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح کے آخر میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سورۃ الاحزاب کی ان دو آیات کی قرأت فرمایا کرتے تھے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (آیات ۷۰، ۷۱): "اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ (ڈر) اختیار کرو اور درُست بات کہا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سُدھار دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے تو اُس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی!" — غور کا مقام ہے کہ یہاں بھی پہلی آیت کے آغاز میں اُسی تقویٰ کے اختیار کرنے کے حکم کا اعادہ ہے جو سورۃ النّساء کی پہلی آیت میں دو بار اور سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ میں حَقَّ تُقٰتِهٖ کی تاکید کے ساتھ ایک بار آچکا ہے۔ اب اس

آیت میں اِس کا پھر اعادہ ہو رہا ہے۔ اس سے ہر مسلمان بالخصوص اس دُولہا کو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے جو زندگی کے ایک نئے دَور کا آغاز کر رہا ہوتا ہے کہ گھر گرہستی کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو ہر لمحہ، ہر لحظہ اور ہر قدم پہ ملحوظ رکھنا کتنا ضروری ہے۔ گویا عائلی زندگی کی مسرّت و راحت اور سکون و اطمینان کا انحصار ہی تقویٰ کی رَوِش پر ہے جس کے بغیر یہ متأہل زندگی باعثِ راحت اور شادمانی ہونے کے بجائے باعثِ کُلفت و پریشانی بن سکتی ہے۔ اسی آیتِ کریمہ میں دوسرا حکم ہے: وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا: "اور بات کرو درست اور سیدھی!" مَیں مُنہ سے نکلنے والی بات کی اہمیّت کا اپنی تقریر کی ابتدا میں اجمالاً ذکر کر چکا ہوں۔ اب اس موقع پر اِس حکمِ ربّانی کی حکمت کی تفہیم کے لئے مجھے قدرے تفصیل سے کچھ عرض کرنا ہے۔

زُبان (قول) کا ہمارے معاشرے سے تعلّق آپ یقیناً اِس بات سے اتّفاق کریں گے کہ بین الانسانی معاملات میں اکثر و بیشتر زبان کا غلط استعمال بہت سے فتنوں کو جنم دیتا ہے۔ انسانی تعلّقات میں نفرت اور بَیر کا بیج بونے اور پھر اُس کو نشوونما دینے اور دلوں میں زہر گھولنے میں زبان کے غلط استعمال کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اِس کو حَصَائِدُ الْاَلْسِنَۃ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ زبانوں کی کھیتیاں ہیں، جو کاٹنی پڑتی ہیں۔ زبان آپ کے قابو میں نہ ہو اور اُس کا غلط استعمال ہو تو یہی بات بہت سی خرابیوں، بُرائیوں اور تعلّقات میں بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ عربی کی کہاوت ہے کہ "تلوار کے زخم مُندمِل ہو جاتے ہیں۔ لیکن زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا!" ہم میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ تجربہ ہوگا کہ اس کہاوت میں بڑی صداقت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جسمانی زخم بھر جاتے ہیں، لیکن زبان کے گھاؤ کا بھر جانا اور مُندمِل ہو جانا مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ چونکہ زبان کا گھاؤ براہِ راست دل پر جا کر لگتا ہے، جس کے اِندمال کا کوئی سوال ہی نہیں۔ شوہر اور بیوی، ساس اور بہو اور اعزّہ و اقارب کے مابین جو پیچیدہ اور لاینحل مسائل و تنازعات کھڑے ہو جاتے ہیں، اُن کا جب تجزیہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سے اکثر کی اصل جڑ اور بنیاد زُبان کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ بین الانسانی معاملات میں قولاً سدیدًا اور قولِ حسَن کی اہمیّت اس بات سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل سے لئے جانے والے جس عہد و پیمان اور میثاق کا ذکر ہے، اس میں زبان کا

صحیح استعمال بھی شامل ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ (آیت: ۸۳)

یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک اور لوگوں سے دُرست اور بھلی بات کہنا۔ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔

زُبان کے غلط استعمال کی ممانعت

معاشرتی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لئے سورۃ الحجرات میں بھی بڑے تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں اور ان تمام مفاسد کے انسداد کے لئے ہدایات دی گئی ہیں، جو ایک خاندان اور معاشرے میں بگاڑ کا سبب بنتے ہیں، ان تمام مفاسد کا تعلق زبان اور قول ہی سے ہے۔ وہاں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاۗءٌ مِّنْ نِّسَاۗءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (آیت ۱۱)

اے ایمان لانے والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں ——— آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد برائی کا زبان پر آنا بھی بہت ہی بُری بات ہے۔ جو لوگ اس رَوِش سے باز نہ آئیں، وہ ہی ظالم ہیں ؛

اسی سورت کی اگلی آیت سے درمیان غیبت سے منع کیا گیا اور اس فعل کی شناعت کو ظاہر کرنے کے لئے وہ تشبیہ دی گئی جس سے زیادہ دل میں کراہت پیدا کرنے والی کوئی تشبیہ دینا ممکن ہی نہیں، فرمایا: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۝ (آیت: ۱۲) "اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا بھی ہے، جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ اس سے تو تم خود گھن کھاؤ گے"

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ان آیات میں جن باتوں سے روکا گیا ہے اُن کا تعلق زبان ہی سے ہے۔ کسی کا تمسخر کرنا ہو، مذاق اُڑانا ہو تو اس کا صدور بھی اکثر زبان ہی سے ہوتا ہے ویسے اس میں کسی کی نقل کرنا، کسی کی صورت یا لباس یا کسی کام پر ہنسنا، یا کسی کے نقص یا عیب کی طرف لوگوں کو اس طرح توجہ دلانا کہ لوگ اس پر ہنسیں۔ یہ سب بھی مذاق اڑانے میں داخل ہیں، لیکن مذاق اڑانے کا بیشتر تعلق زبان ہی سے ہے۔

آگے فرمایا: وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ "آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے پر عیب لگاؤ"۔ لفظ "لُمز" بڑا وسیع المعانی لفظ ہے۔ اس کے مفہوم میں طعنہ زنی کرنا، چوٹیں کرنا، پھبتیاں کسنا، الزام لگانا، اعتراض جڑنا اور عیب چینی کرنا یہ سب افعال شامل ہیں۔ آگے فرمایا: وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ "کسی کو بُرے لقب سے مت پکارو"۔ کسی کو ایسا لقب دینا جس سے اُس کی تذلیل ہوتی ہو مثلاً کسی کو چڑانے کے لئے کوئی نام رکھ دیا جس کو عرفِ عام میں "چڑ" کہتے ہیں۔ کسی کو بونا کہہ دیا کسی کو لنگڑا، لولا، کانا اور اندھا، بہرا کہہ دیا کسی کو اُس کے اپنے یا اُس کے ماں باپ یا خاندان کے کسی حقیقی یا غیر حقیقی عیب یا نقص سے منسوب کر دیا، یا کسی کو تمسخر آمیز اور مضحکہ خیز نام سے موسوم کر دیا۔ ایسے سب افعال تنابز بالالقاب میں شمار ہوں گے۔ غیبت کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اُس کی شناعت ظاہر کی گئی ہے غیبت پیٹھ پیچھے کی جاتی ہے اور جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے اور نوچنے پر وہ اپنے دفاع پر قادر نہیں ہوتا، اسی طرح وہ بے چارہ جس کی غیبت کی جا رہی ہوتی ہے، اس غیبت سے بالکل بے خبر ہوتا ہے اور اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کہاں اور کس نے اُس کی عزت و وقار کو مجروح کیا ہے۔ اور اس طرح وہ بھی اپنے دفاع سے قاصر ہوتا ہے۔

مزید غور سے دیکھئے کہ ایسے تمام افعال کو "فسق کا نام زبان پر لانا" قرار دیا گیا ہے۔ فسق دین کی اصطلاح میں اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی حدود سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ ایمان لانے کے بعد ایسے کام کرنا عدالتِ الٰہی میں فسق میں نام پیدا کرنا قرار پائے گا۔ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۔ سورۂ حجرات کی ان آیات میں جن برائیوں اور گناہوں کے لئے نواہی (اجتناب کرنے، بچنے، رُکنے) کے احکام آئے ہیں۔ یہ خرابیاں وہ ہیں جن کے ارتکاب کا ہمارے معاشرے بالخصوص مجلسی اور گھریلو زندگی میں بڑا چلن ہے۔ کھانے

کے دسترخوان پر چند لوگ جمع ہوں تو ماکولات کے ساتھ جو لذیذ ترین ڈش ہوتی ہے وہ یہی ہمز و لمز، تنابز بالالقاب، تمسخر و استہزاء اور غیبت ہوتی ہے۔ عورتیں اس مرض میں زیادہ مبتلا نظر آتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب بھی چند عورتیں جمع ہوں گی تو ان ہی برائیوں کا ارتکاب ہوگا۔ کسی کا چڑاؤ نا نام رکھ چھوڑا ہے، کسی کو طعنہ دے دیا ہے، کسی کا مذاق اڑا دیا ہے، کوئی چبھتا ہوا فقرہ کس دیا ہے، کسی کی چغلی کھائی ہے۔

عام طور پر اس قسم کی باتیں خوش گپیوں کے لئے IGT MOOD میں بھی کہی جاتی ہیں اور اکثر آدمی ان کو ہنس کر ٹال بھی دیتا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہو، اُس کی اُس وقت ایسی ذہنی و نفسیاتی کیفیت ہو کہ یہ بات اُس کے دل پر چرکا اور گہرا داغ لگانے کا سبب بن جائے اور ایسا گھاؤ ڈال دے، جس کا اندمال ممکن نہ ہو

زبان کے غلط استعمال کے بُرے نتائج جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ گھریلو جھگڑوں اور زن و شو کے تنازعات کا جب بھی تجزیہ کیا جائے گا، تو اکثر اس میں زبان کے غلط استعمال کی کارفرمائی نظر آئے گی۔ شوہر نے کسی وقت کوئی طعنہ دے دیا، بیوی نے تنک کر جواب دے دیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ گھر کی فضا مکدّر ہو گئی، جو گھر کے اُجڑنے پر بھی منتج ہو سکتی ہے۔ ساس یا نند نے کوئی طنزیہ بات کہہ دی، بہو کو بُری لگ گئی۔ اگر وہ اُس کو صبر و تحمل سے پی گئی، تو کچھ عافیت ہے۔ لیکن اس کا منہ پھول گیا جو غیر فطری نہیں، یا اُس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دے دیا۔ بہو نے ساس یا نند کے ساتھ ایسا ہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ تو گویا بگاڑ کا بیج پڑ گیا۔ پھر اگر ناعاقبت اندیشی سے ساس یا نند یا خود بیوی نے مرد سے لگائی بجھائی کر دی اور اس کو جوانی کا جوش آ گیا اور اُس نے ہوش سے کام لینے کے بجائے محض جوش میں آ کر کسی ایک فریق کی حمایت یا مدافعت میں اُلٹی سیدھی باتیں منہ سے نکالنی شروع کر دیں تو گھر بزم کے بجائے رزم گاہ بن جائے گا، گھر کا اطمینان و سکون رخصت ہو جائے گا۔ اگر بات آگے بڑھ گئی، حالات مزید بگڑ گئے تو میکے والوں اور اعزّہ و اقارب تک اس رنجش اور تکدّر کے اثرات پہنچیں گے۔ اولاد کی تربیت غلط خطوط پر اور بگاڑ کے ماحول میں ہوگی، اس کے اخلاق متاثر ہوں گے اور ان کے صاف و شفّاف ذہن بھی لاشعوری طور پر مکدّر ہونے شروع ہو جائیں گے۔ ان تمام خرابیوں سے بچنے اور محفوظ رہنے کا قرآنِ حکیم یہ علاج تجویز فرمایا ہے کہ: وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا زبان کو قابو میں رکھو اور مُنہ سے درست اور

صحیح بات نکالو۔ اسی طرزِ عمل میں عافیت وخیریت ہے، اسی میں گھر کا اطمینان اور سکون مضمر ہے۔ یہی سو بیماریوں اور خرابیوں کا شافی علاج ہے۔

نبی اکرمؐ کی ہدایات | مَیں چاہتا ہوں کہ زبان کو احتیاط سے استعمال کرنے کے ضمن میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث شریفہ بھی آپ کو سُنا دُوں۔ جس سے آپ کو اور خاص کر دولہا اور اُس کے اعزّہ واقارب کو معلوم ہو جائے کہ زبان کے درست استعمال میں کیا خیر ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے کیا بشارت ہے۔ اور زبان کے غلط اور غیر محتاط استعمال کی کیا خرابی ہے اور ایسے لوگوں کے لئے عقوبت کی کیا وعید ہے۔ !

پہلی حدیث صحیح بخاری کی ہے جو قرآن مجید کے بعد اہل سنّت کے نزدیک صحیح ترین کتاب ہے۔ حدیث یہ ہے :

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ ۝

حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو مجھے (اُن دو چیزوں کی) ضمانت دے جو اُس کے دو گالوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور جو اُس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو مَیں اُس کے لئے جنّت کی ضمانت دیتا ہوں — !!

ہم سب کے لئے اور خاص طور پر دولہا کے لئے اس حدیث میں بڑا اسبق ہے۔ نبی اکرمؐ نے زبان کے صحیح استعمال کرنے اور جنسی تقاضے کو جائز طور پر پورا کرنے والے کے لئے جنّت کی ضمانت اپنے ذمّہ لی ہے !

دوسری ایک طویل حدیث ہے جس کے راوی ہیں حضرت معاذ ابنِ جبل رضی اللہ عنہ اور جس کو امام احمد بن حنبل، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی کُتبِ احادیث میں درج کیا ہے۔ جیسا کہ مَیں نے عرض کیا کہ یہ طویل حدیث ہے، جس میں حضرت معاذ ابن جبلؓ کے اس سوال پر کہ اے اللہ کے رسولؐ ! مجھے ایک ایسے عمل کی خبر دیجئے جو مجھ کو جنّت میں داخل کر دے اور آگ سے دُور رکھے۔ اس سوال کے جواب میں نبی اکرمؐ نے دین کے تمام اُمورِ مہمّات کی تعلیم دی جن میں توحید کے ساتھ اللہ کی عبادت و اطاعت، اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، صومِ رمضان، حج بیت اللہ کے فرائضِ دینی بھی

شامل ہیں۔ نفلی روزے اور صدقے اور نوافل بالخصوص تہجد کے فضائل بیان فرمائے اور دین کی بلند ترین چوٹی اور اعلیٰ ترین نیکی (HIGHIEST VIRTUE) جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا ہے۔ اِن اُمور کی تعلیم کے بعد حضورؐ نے جو آخری ارشاد فرمایا اس کا چونکہ میری اس گفتگو سے براہِ راست تعلق ہے۔ لہٰذا میں اس کو متن کے ساتھ پیش کرتا ہوں، حضورؐ نے فرمایا: ——— !!

ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِلِسَانِهٖ وَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ قَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ۔

پھر (نبی اکرمؐ نے) فرمایا (اے معاذؓ) کیا میں تجھ کو نہ بتلاؤں وہ بات جس پر اس (دخولِ جنت) کا مدار ہے۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں یا نبی اللہ! پھر حضورؐ نے اپنی زبان پکڑ لی اور فرمایا اِس کو تُو بند کر دے۔ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! کیا ہم اُس چیز کے ساتھ پکڑے جائیں گے، جو ہم بولتے ہیں۔ فرمایا گم کرے تجھ کو تیری ماں اے معاذؓ ——— لوگوں کو آگ میں ان کے مُنہ کے بل یا ناک کے بل ان کی زبان کی باتیں ہی گرائیں گی۔ یعنی زبان کی کھیتیاں ہی ہوں گی، جو وہ آخرت میں کاٹیں گے ؂

مقامِ عبرت | ہم نے زبان کے غلط استعمال کو ہنسی مذاق سمجھ رکھا ہے۔ طعن و تشنیع کو اپنے معمولات میں شامل کر رکھا ہے۔ حالانکہ اس کی ہلاکت خیزیاں اتنی ہیں کہ یہ فعل انسانوں کے تعلقات بگاڑتا ہے۔ اور یہ بگاڑ بسا اوقات قطعِ تعلقات اور مستقل نفرت و عداوت پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور یہ عداوت مستقل شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کتنے ہی خاندان ہیں جو زبان کے غلط استعمال سے تباہ ہو جاتے ہیں، کتنی ہی سہاگنوں کے سہاگ اُجڑ جاتے ہیں اور وہ معلّق ہو کر اپنی جوانی کو ماں کے گھٹنے سے لگ کر گزار دیتی ہیں، کتنے ہی مرد و عورت ہیں جو بے راہروی اختیار کر لیتے ہیں، کتنے معصوم بچے ہیں جن کی اُٹھان غلط رخ پر ہوتی ہے وہ آوارہ ہو کر معاشرے کے لئے بوجھ بن جاتے ہیں۔

اِن تمام خرابیوں کا علاج سورۂ احزاب کی ان دو آیات میں ہمیشہ ہمیش کے لئے

تجویز فرما دیا گیا : یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا : "اے اہلِ ایمان ! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور درست بات کہا کرو "۔ اس تقویٰ الٰہی اور قولِ سدید کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال درست اور اصلاح یافتہ کرے گا اور تمہاری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرما دے گا : یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط جو شخص گھر کی زندگی میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اور زبان کے استعمال میں محتاط رہے گا۔ ظاہر بات ہے کہ زندگی کے دوسرے تمام ہی معاملات میں اس کی شخصیت میں اس عمل کی برکات کا ظہور ہوگا اور اس کی دورنگی زندگی نہیں ہوگی، جس کا عام طور پر مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک شخص باہر والوں کے لئے بڑا خوش مزاج، با اخلاق، حلیم و شفیق اور خلیق ہے لیکن گھر والوں کے لئے فرعونِ بے سامان بنا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے دو رُخے، دوغلی اور دورنگی زندگی اختیار کرنے والے قطعی ناپسند ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو گھر والوں، بیوی، بچوں، ماں باپ اور قرابتداروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے والوں کو افضل ترین انسانوں میں سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اور امام دارمیؒ نے اپنی اپنی کتب احادیث میں یہ روایت درج کی ہے :۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ : "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک بہترین ہے اور میں تم سے اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہترین سلوک کرنے والا ہوں!" یہی روایت امام ابنِ ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے والوں کا ہمارے دین میں کتنا ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔

اطاعت کے لوازم | سورۂ احزاب کی اِن دو آیات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ تقویٰ الٰہی اور قولِ سدید اللہ اور رسول کی اطاعت کے لوازم میں شامل ہیں۔ چنانچہ آخر میں فرمایا : وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ : "اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کرے گا، وہی کامیاب قرار پائے گا اور اسے

وہ کامیابی حاصل ہوگی جو بڑی عظیم کامیابی ہے!"

حضرات! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ نکاح کے موقع پر جن آیات کی عموماً قرأت فرمایا کرتے تھے۔ میں نے اس مختصر سے وقت میں ان کی شرح اور ان کی حکمتیں عرض کر دی ہیں مجھے توقع ہے کہ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اس موقع کی مناسبت سے کس قدر اہم ہدایات ہیں جو ان آیاتِ مبارکہ میں بیان ہوئیں۔ اور ان میں ہم سب کے لئے اور خاص طور دولہا کے لئے سوہ تذکیر، نصیحت، ہدایت اور رہنمائی موجود ہے، جن کو زندگی کے ہر معاملہ اور ہر موڑ پر بالخصوص معاشرتی زندگی میں اگر سامنے رکھا جائے تو ان شاء اللہ اس کی برکت سے خاندان بھی خوش و خرم رہے گا۔ اس میں سکون و اطمینان کی فضا قائم و دائم رہے گی اور اس کا عکس ہمارے معاشرے میں مترتب ہوگا۔ جو نظامِ اسلامی کے نفاذ و قیام اور استحکام میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ جس کے بغیر اسلامی نظام کا نفاذ و قیام بھی مشکل اور اگر ہو بھی جائے تو اس کا مستحکم ہونا مشکوک!

نکاح سُنّتِ رسول ہے! حضرات! ہمارے علماء و خطباء خطبۂ نکاح میں ان آیات کی قرأت کے بعد احادیث میں سے دو حدیثوں کے دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی پڑھا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بھی وہ ٹکڑے آپ کو سنائے ہیں۔ عام طور پر بعض حضرات ان کو اس طرح پڑھ دیتے ہیں کہ یہ ایک ہی حدیث معلوم ہوتی ہے۔ اچھی طرح جان لیجئے کہ یہ دو حدیثوں کے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہیں، مکمل احادیث نہیں ہیں۔ پہلا ٹکڑا اُس حدیث کا ہے، جس کو امام ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ: "نکاح میرا طریقہ اور میری سُنّت میں سے ہے!" اس میں درحقیقت اس راہبانہ تصوّر کی نفی اور تردید کی جارہی ہے جو دنیا میں رائج رہا ہے۔ رہبانیت کا یہ تصوّر آپ کو عیسائیوں میں بھی نظر آئے گا اور ہندوؤں میں بھی۔ دُنیا کے اور بھی مذاہب ہیں جیسے بدھ مت، جین مت، ان میں بھی یہ تصوّر مشترک ملے گا کہ یہ نکاح اور گھر گرہستی کی زندگی روحانیت کے اعتبار سے گھٹیا درجہ کی زندگی ہے۔ اس اعتبار سے ان مذاہب میں اعلیٰ زندگی تجرّد کی زندگی ہے۔ شادی بیاہ کے بندھن کو یہ مذاہب روحانی ترقی کے لئے رکاوٹ قرار دیتے ہیں۔ مرد ہو یا عورت دونوں کے لئے تجرّد کی زندگی کو ان کے ہاں روحانیت کا اعلیٰ و ارفع مقام دیا جاتا ہے۔ نکاح کرنے والے ان مذاہب کے نزدیک ان کے

معاشرے میں دوسرے درجہ کے شہری (SECOND RATE CITIZEN) شمار ہوتے ہیں۔ چونکہ شادی بیاہ کے کھکیڑ میں پڑ کر انہوں نے اپنی حیثیت گرادی ہے۔

ہمارے دین میں رہبانیت نہیں ہے | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس تصوّر کی کامل نفی اور تردید فرمائی ہے، قول سے بھی اور اپنے عمل سے بھی۔ حضورؐ نے فرمایا میرا طریقہ یہ نہیں ہے۔ میں جو دین لے کر آیا ہوں، وہ دینِ فطرت ہے۔ یہ دین انسان کے کسی بھی طبعی اور فطری تقاضے پر کوئی غیر فطری قدغن عاید نہیں کرتا، نہ ہی وہ یہ چاہتا ہے کہ ان تقاضوں کو بالکلیہ کچل دیا جائے۔ اس کے برعکس ہمارا دین ان فطری تقاضوں کو صحیح رخ پر اور صحیح راستوں پر ڈال دیتا ہے اور صحیح خطوط پر CHANALISE کرتا ہے۔ ان کا جو صحیح مصرف ہے، اس کے لئے اُس نے جائز راہیں متعین کر دی ہیں۔ ان راستوں کو اختیار کرنے میں ہی خود انسان کے لئے اپنی انفرادی سطح پر بھی بھلائی ہے اور اجتماعیت کے اعتبار سے بھی اسی میں خیر ہے۔ لہٰذا ان تقاضوں کے پورا کرنے کا جو صحیح، جائز اور مفید طریقہ ہے، اس کے لئے اس نے راستہ کھلا رکھا ہے جیسے نکاح۔ البتّہ وہ غلط راستے بند کرتا ہے جیسے زنا، آزادانہ شہوت رانی کا طریقہ جو فرد کے لئے موجبِ شرّ اور معاشرے کے لئے موجبِ فساد ہوتا ہے۔ اسلام نے رہبانیت کی تعلیم نہیں دی بلکہ رہبانیت سے تاکیداً منع کیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ ۔ "اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے!" یہاں جو لام استعمال کیا گیا ہے، وہ عربی کے قاعدے کے مطابق لام نفی جنس کہلاتا ہے۔ جس کا مطلب ہوا کہ ہر قسم کی رہبانیت کی نفی ہوگئی۔ یہی بات میں دوسری طویل حدیث میں واضح طور پر آپ کے سامنے بعد میں پیش کروں گا جس کا آخری ٹکڑا یہ ہے کہ: فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۔ "جو میری سُنّت کو ناپسند کرے اُس کا مجھ سے کوئی تعلّق نہیں!"

ایک اہم احتیاط جو ہم سب کو ملحوظ رکھنی ضروری ہے | میں چاہتا ہوں کہ اس موقعے پر اس اہم بات کی طرف بھی توجّہ دلاؤں جو عام طور پر دوسرے مذاہب کے زیرِ اثر، چاہے وہ ہندوانہ تصوّرات ہوں یا عیسائیوں کے خیالات۔ ہماری اکثریت کے ذہنوں میں بھی بیٹھ گئی ہے اور وہ یہ کہ شادی نہ کرنا اور تجرّد کی زندگی بسر کرنا واقعی کوئی اعلیٰ و ارفع

نیکی ہے۔ چنانچہ عام طور پر بعض بزرگوں کے تذکرے میں ہماری زبانوں پر یہ الفاظ آجاتے ہیں کہ فلاں بزرگ بڑے ہی اللہ والے اور عابد و زاہد تھے، انہوں نے زندگی بھر شادی ہی نہیں کی گویا اس بزرگ کا شادی نہ کرنا ایک قابلِ مدح و تعریف کام قرار پایا۔ اب آپ خود سوچئے کہ اس بات کی زد غیر محتاط انداز اور غیر شعوری طور پر کہاں پڑ رہی ہے۔ ع : ناوک نے ترے صید نہ چھوڑا زمانے میں!۔ اس کی زد پڑ رہی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اگر شادی کرنا اور تجرد کی زندگی بسر کرنا کوئی قابلِ تحسین کام ہے، کوئی اعلیٰ و ارفع عمل ہے، زہد، عبادت اور نیکی کا کوئی بلند تر مقام ہے، تو نعوذ باللہ من ذالک، نبی اکرمؐ تو اس سے محروم ہے۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ ہمارے لئے یہ احتیاط لازم ہے کہ اس قسم کی بات کو نیکی اور مدح و تعریف کے طور پر زبان سے کبھی نہ نکالا جائے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جس نے نکاح نہ کیا ہو تو اس کے خلاف کوئی فتویٰ ہی دے دیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی حقیقی مجبوری ہو، حالات شادی کی اجازت نہ دیتے ہوں۔ یہ بالکل دوسری بات ہے۔ لہٰذا ایسے بزرگوں پر تنقید کی زبان کھولنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔ البتہ جو احتیاط ضروری ہے وہ یہ کہ تجرد کی زندگی کی مدح ہرگز نہیں ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ نبی اکرمؐ کا فرمان یہ ہے کہ "النکاح مِنْ سُنَّتِیْ!" اگر اس کے برعکس رَوِش کو آپ نے مقامِ مدح قرار دیا اور اس کو نیکی کا کوئی اعلیٰ کام سمجھا تو اس میں نبی اکرمؐ کے لئے قدح کا پہلو نکل آئے گا اور ہمارا ایمان زائل اور اعمال حبط ہو جائیں گے۔

دوسری حدیث کا آخری ٹکڑا جو میں نے آپ کو سنایا کہ "فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ!" وہ بھی "اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ!" کا لازمی نتیجہ ہے۔ نبی اکرمؐ کی اُمت میں شامل ہونے کا لازمی تقاضا اور نتیجہ یہ نکلنا چاہیئے کہ ہر اُمتی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور سُنّت عزیز ترین اور محبوب ترین ہو۔ اگر وہ کسی سُنّت پر عمل کرنے سے معذور و مجبور اور قاصر ہو تو اس کو ملول و مغموم ہونا چاہیئے، اس کو اپنی بدنصیبی سمجھنا چاہیئے لیکن اگر وہ حضورؐ کی سنّت کو ناپسند کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا تعلق حضورِ اکرمؐ سے نہیں ہے، چاہے وہ ایمان کا مدعی ہو۔ زبانی طور پر اس کے عشقِ رسولؐ کے بڑے بڑے دعوے ہوں، کتنا ہی وہ غلامِ نبیؐ بنا پھرتا ہو، لیکن اگر اُسے سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند ہے اور وہ اُسے کسی درجہ میں بھی لائقِ التفات نہیں سمجھتا تو اس کے عشقِ رسول کے تمام دعوے

جھوٹے اور باطل ہیں۔ یہی مفہوم اور مطلب ہے : فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ کا ——— !!

یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے تو مناسب ہے کہ عربی میں لفظ رغبت جب اِلیٰ کے صلے (PREPOSITION) کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی چیز کو پسند کرنا اس کی طرف میلانِ طبع ہونا اور رغبت ہونا ہوتا ہے۔ رَغِبَ اِلیٰ کے معنی یہی ہوتے ہیں اور لفظِ رغبت اُردو میں اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عربی میں جب یہ لفظ عَنْ کے صلے کے ساتھ آئے گا۔ رَغِبَ عَنْ تو اس کے معنی کسی چیز کو ناپسند کرنے اور کسی چیز سے نفرت اور رُوگردانی کے ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث کے اس ٹکڑے میں رَغِبَ عَنْ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اس کا مفہوم کسی چیز یا کام کو ناپسند کرنا، اور اس سے نفرت و رُوگردانی کرنا ہوگا۔

رُشد و ہدایت کی صراطِ مستقیم حضرات! اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کو وہ حدیث مع ترجمہ مکمل طور پر بھی سُنا دوں جس کا آخری ٹکڑا ہے : فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ ! اِس حدیث میں ہم سب کے لئے رشد و ہدایت اور دین کے مطابق معتدل و متوازن زندگی کی صراطِ مستقیم کی طرف کامل رہنمائی موجود ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے یعنی اس کی صحت پر امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ علیہما متفق ہیں اور اہلِ سُنّت کے نزدیک ایسی احادیث کا مقام بلند ترین قرار پاتا ہے : حدیث یہ ہے :

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ جَآءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّآ اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا

انس رضؓ سے روایت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس تین آدمی آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق پوچھا، جب ان کو خبر دی گئی۔ انہوں نے اس کو کم جانا اور کہنے لگے ہماری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں۔ ایک کہنے لگا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا اور افطار

فَأُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا وَّقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَّلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَآءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشٰكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقٰكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا، کبھی نکاح نہ کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس آئے پس فرمایا تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ خبردار اللہ کی قسم میں تمہاری نسبت اللہ سے بہت ڈرتا اور تقویٰ کرتا ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں، افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے۔ جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔
(متفق علیہ)

لمحاتِ فکریہ | آخر میں، میں یہ عرض کرنا اپنا فرض اور ذمہ داری سمجھتا ہوں کہ صرف نکاح ہی سنّت نہیں ہے۔ جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہوا جو میں نے سنائیں۔ جن سے یہ بات ہمارے سامنے بصراحت آ گئی ہے کہ یقیناً نکاح سنّتِ رسولؐ ہے۔ لیکن قرآنِ حکیم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ مبارکہ امّت کے لئے اُسوۂ حسنہ قرار دیا ہے ——
بمصداقِ فرمانِ الٰہی : لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۂ احزاب ۲۱)
معلوم ہوا کہ نبی اکرمؐ کی پوری زندگی ہمارے لئے بحیثیتِ مجموعی سنّت کا مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اس پر ہرگز مطمئن نہیں ہونا چاہیئے کہ نکاح کی سنّت ہم نے ادا کر دی اور پھر حضورؐ کے اس فرمانِ مبارک کی بھی تعمیل کر دی کہ : اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ : "نکاح کا اعلانِ عام کیا کرو اور اُسے مسجدوں میں منعقد کرو!" ٹھیک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سُنّتوں کی ادائیگی کی جن کو توفیق و سعادت ملی، وہ قابلِ مبارکباد ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بھی غور کرنا ہو گا کہ زندگی کے بقیّہ معاملات میں سُنّت کے تقاضے کیا ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کیا ہے۔ دین کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے اور نبی اکرمؐ کی تمام سنّتوں کی ادائیگی کا فکر و اہتمام کرنے ہی میں دراصل ہماری

دُنیوی و اُخروی صلاح و فلاح اور نجات کا دار و مدار ہے جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت ۷۱ کے آخر میں فرمایا کہ : وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ط اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ آیا ہے۔ موقع نہیں ورنہ میں آپ کو اِن میں سے چند آیات سُناتا۔ پس اتنا جان لیجئے کہ اللہ کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے فرمایا : مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ط "جس نے میری اطاعت کی درحقیقت اُس نے اللہ کی اطاعت کی"۔ سورۂ آلِ عمران میں سنّتِ رسولؐ کے اتباع کا مقام اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر متعیّن فرما دیا ہے، اور اہلِ ایمان کے ساتھ اپنی محبّت کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ کامل کے اتباع کے ساتھ مشروط کر دیا ہے : فرمایا : قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (آیت ۳۱) (اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبّت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبّت کرے گا اور تمھاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا، اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے"۔ یہ آیت اِس بارے میں نصِّ قطعی ہے کہ اللہ سے محبّت کے دعوے کی اصل کسوٹی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اتّباع، حضورؐ کی پیروی، آنحضورؐ کی سنّتوں کی ادائیگی کا اہتمام ہے۔ اور اس طرزِ عمل کا مقام یہ ہے کہ اللہ بھی ایسے لوگوں سے محبّت کرے گا، اور اُن سے جو غلطیاں اور کمزوریاں بربنائے بشری سرزد ہوئیں، اللہ اُن کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے، رحیم بھی۔

پس معلوم ہوا کہ زندگی کے ہر گوشے اور ہر معاملے میں سنّتِ رسولؐ کی پیروی لازم ہے، نکاح بھی حضورؐ کی سنّت ہے۔ لیکن معاملہ یہاں ختم نہیں ہوگا۔ دعوت و تبلیغ دین بھی حضورؐ کی سُنّت ہے۔ لوگوں تک قرآن کا پیغام اور اس کی دعوت پہنچانا بھی حضورؐ کی سنّت ہے۔ فرائض پنجگانہ کی وقت پر صحیح آداب و شرائط کے ساتھ ادائیگی بھی سُنّت ہے۔ مجاہدہ فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ بھی رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت ہے۔ لوگوں پر دین کی حُجّت قائم کرنا بھی سُنّت ہے۔ دینِ حق کو عملاً قائم کرنے کی جدّوجُہد کرنا اور اس کام میں اپنا جان و مال لگانا، اپنی توانائیاں صرف کرنا بھی سُنّتِ رسول اللہ ہے۔ معصیّت کی ہر ترغیب و تحریص سے بچنا اور پوری زندگی میں چاہے وہ سیاست ہو، تجارت ہو، ملکی انتظام ہو، بین الاقوامی اور بین الانسانی تعلّقات و معاملات ہوں۔ اِن سب کو قرآن

کی ہدایات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کے مطابق انجام دینا بھی سُنّت ہے۔ شادی بیاہ کی تقاریب کو صرف مسجد میں نکاح کے انعقاد تک محدود رکھنا ہی سنت نہیں بلکہ اس معاملے میں یہ دیکھنا بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں ہم کون کون سی ایسی رسومات کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جن کا اللہ کے دین اور نبی اکرم کی سنت سے نہ صرف یہ کہ کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ سراسر غیر اسلامی اور خلافِ سُنّت ہیں۔

حرفِ آخر | حضرات ! چند سال قبل سے مجھے احباب و رفقاء کے شدید تقاضے پر متعدد احباب کے یہاں شادی کے موقع پر نکاح پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ میرا شروع ہی سے یہ معمول رہا کہ خطبۂ نکاح کی غرض و غایت اور حکمت پر میں تقریر ضرور کیا کرتا تھا، جس میں ان آیات و احادیث کی تشریح بھی ہوتی جو نکاح کے خطبۂ مسنونہ میں پڑھی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی مروّجہ رسومات پر بھی تنقید ہوتی اور اصلاح کے لئے کچھ مشوروں اور نصیحتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ نومبر ۱۹۶۳ء میں اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد سلّمہٗ کی شادی کے موقع پر میں نے طے کیا کہ جن اصلاحات کی طرف میں لوگوں کو متوجہ کراتا ہوں ان پر خود عمل کر کے دکھاؤں ورنہ ان باتوں کا کہنا چھوڑ دینا چاہیئے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؏ "یا سراپا نالہ بن جا، یا نوا پیدا نہ کر!" چنانچہ پنجاب میں شاید یہ پہلی شادی تھی جو ٹھیٹھ سنّتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے مطابق انجام پائی۔ نکاح مسجد میں منعقد ہوا اور ان تمام رسومات سے اجتناب اختیار کیا گیا جو غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ خالص ہندوانہ ہیں۔

میں نے ۱۹۶۳ء کے اواخر ہی میں 'میثاق' میں لکھا تھا کہ کراچی میں بعض تجارت پیشہ برادریوں میں نکاح کی مجالس کا مساجد میں انعقاد کا معمول کافی عرصہ سے جاری ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ کراچی سے جس برائی کا آغاز ہو اُسے لاہور یا پنجاب کے دُور دراز گوشوں تک پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ لیکن ایک بھلا کام جو وہاں عرصے سے ہو رہا ہے۔ اس کے بارے میں یہاں تاحال سوچا بھی نہیں گیا۔ چنانچہ میں نے اپنے بھائی کا نکاح مسجد میں منعقد کر کے اور تمام غیر اسلامی رُسوم سے اجتناب کر کے اصلاحی کام کا آغاز کر دیا ہے۔ نیز میں نے اس کے ساتھ ہی 'میثاق' میں اپنے اِن فیصلوں کا بھی اعلان کر دیا کہ میں آئندہ سے :

(ا) کسی بارات میں شرکت نہیں کروں گا چونکہ میرے محدود مطالعہ کی حد تک بارات کا رائج الوقت طریقہ خالص ہندوانہ تصوّرات پر مبنی ہے۔

(ب) مَیں نکاح کے موقع پر کسی دعوتِ طعام میں شامل نہیں ہوں گا کیونکہ خیر القرون سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ شادی کے ضمن میں لڑکے والوں کی طرف سے دعوتِ ولیمہ مسنون ہے۔ جس کا ثبوت ہی نہیں، بلکہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تاکیدی حکم ملتا ہے۔

(ج) کسی ایسی نکاح کی تقریب میں شرکت نہیں کروں گا جو مسجد میں منعقد ہو۔

الحمد للہ وَالمِنّۃ! مَیں اپنے اِن فیصلوں پر کاربند ہوں۔ مَیں آپ حضرات کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ صرف نکاح کے مسجد میں انعقاد پر اکتفا نہ کیجئے، بلکہ معاشرے سے شادی بیاہ کی اُن تمام رسومات کو ختم کرنے کی کوشش کیجئے۔ جن کا اسلام سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور جن کا طومار اور بوجھ ہم نے خود اپنے کاندھوں پر اُٹھا رکھا ہے۔ شادی بیاہ کی ان تمام رسوم کا، جن کا ہمارے ہاں رواج ہے، جب بھی منصفانہ جائزہ لیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ ان کی اصل ہندوانہ رسم و رواج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآنِ حکیم اور اُسوۂ رسول کے ذریعے ہمارے کاندھوں پر سے بوجھ اتارے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ ط: اور (ہمارا یہ نبی اُمّی) لوگوں پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے، جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے، جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔“ پس نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا احسانِ عظیم یہ ہے کہ آپؐ نے دین کو آسان سے آسان بنایا ہے۔ آپؐ نے ہدایت دی کہ: ”یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا“: آسانیاں پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو۔“ لیکن ہم ہیں کہ مشکل پسند بن گئے ہیں۔ ہم نے شادی بیاہ کی تقریب میں لاتعداد اضافی رسوم کو اختیار کر رکھا ہے، جس سے شادی ایک بے انتہا گراں مسئلہ بن گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ توارث اور برادریوں کے تعامل سے جو ہندوانہ رسوم ہمارے ہاں جاری ہیں۔

۱؎ نومبر ۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی پہلی بچّی کی شادی ہوئی ہے۔ موصوف نے اپنی بچّی کو نہ خود زیادہ جہیز دیا اور نہ ہی اعزّہ و اقارب اور احباب کی جانب سے دیئے ہوئے تحائف قبول کئے۔ اور نکاح کے بعد بچّی کو مسجد ہی سے رخصت کر دیا۔ ان کے ہاں مہمانداری کی کسی نوع کی بھی کوئی تقریب نہیں ہوئی۔ (ج۔ر)

اُن کو چھوڑنے کے لیے ہم تیار نہیں۔ ہندوستان میں جن برادریوں اور خاندانوں نے اسلام کو قبول کیا وہ اپنے ساتھ اپنی رسوم بھی لائے اور ان کو چھوڑنے کے بجائے اُن کے نام بدل دیئے اور ان کو جاری رکھا اور اب تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ سننے میں آیا ہے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ اس بات میں کہاں تک حقیقت ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل میو قوم میں میوات کے بعض علاقوں میں نکاح کے موقع پر مولوی صاحب آکر نکاح بھی پڑھاتے تھے اور پھیرے پنڈت جی آکر پھیرے بھی ڈلواتے تھے، تاکہ پکّا کام ہو جائے۔ آخر نسلاً بعد نسلٍ جو چیز دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی تو اس وجہ سے ان کا اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ صرف دو بول کہنے سے بندھن بندھ گیا۔ اسی لیے وہ دولہا دلہن کے کپڑوں میں گرہ لگا کر اگنی کے سات پھیرے بھی لگواتے تھے۔ اور اس طرح ان کو اطمینان ہوتا تھا کہ اب معاملہ مضبوط ہو گیا ہے۔ اس بات پر تو آپ لازماً مسکرائیں گے۔ یا اسے بہت ہی بعید از قیاس گمان کریں گے۔

لیکن جائزہ لیجئے کہ بعینہٖ یہی حال ہمارا ہے۔ نکاح حضورؐ کے طریقے پر ہو لیکن بارات کا طومار ہے، جہیز کا انبار ہے، رسومات ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر۔ جو لوگ صاحبِ ثروت ہیں، وہ اپنی دولت و ثروت اور امارت کے اظہار کے لئے پرانی رسموں پر ہی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ نئی نئی رسوم اور بدعات ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ اس معاملہ میں ان کا ذہن بڑا زرخیز ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ ان تمام رسومات کی نبی اکرمؐ کی سُنّت اور صحابہ کرامؓ کے تعامل میں کوئی بنیاد نہیں۔ کراچی کی بعض برادریوں نے چند اصلاحی اقدامات کئے ہیں مجھے یہ عرض کرنے پر معاف کیا جائے کہ ان اصلاحی اقدامات کا اصل محرّک دین کی تعلیمات پر عمل کرنے کے جذبے سے زیادہ معاشرتی مجبوریاں تھیں۔ جن کی بنیاد پر فیصلے کئے گئے کہ نکاح مسجد میں ہو اور بارات کا تصوّر ختم کر دیا جائے۔ لڑکی والے کے ہاں دعوت نہ ہو وغیرہا۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ چور دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ بیٹی والا مہندی کی دعوت اور استقبالیہ وغیرہ کے نام سے اب تک پرانی رسوم کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ رسم پرستی کا جو بُت دل کے سنگھاسن پر براجمان ہے وہ اپنی اطاعت ضرور کرائے گا، اور اُس کا کسی نہ کسی طرح ظہور ضرور ہوگا۔ پھر دوسری رسمیں بھی جُوں کی تُوں باقی ہیں، بلکہ اُن میں کچھ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ ہمارے دین نے صرف ولیمہ کی دعوت کی تاکید کی ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا ولیمہ ضرور کیا کرو، اور جس کو ولیمہ میں بُلایا جائے، وہ اس میں ضرور جائے۔ اس کی حکمت پر آپ جب غور کریں گے

تو خود اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ شادی لڑکے والوں کے لئے ہی اصلاً خوشی کا موقع ہوتا ہے۔ ایک نئے خاندان کی تاسیس ہو رہی ہوتی ہے۔ لڑکی والوں کے لئے بلاشبہ اس لحاظ سے تو خوشی کا مقام ہے کہ وہ بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔ لیکن نگاہِ حقیقت بیں سے دیکھئے تو بیٹی والوں کے لئے تو یہ بڑی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔ بچّی کو پالا پوسا، اُس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا، اور پھر جوان ہونے پر دوسرے خاندان کے حوالے کر دیا۔ ہزار دیکھ بھال لیا ہو، معلومات کرلی ہوں، اطمینان کر لیا ہو، لیکن یہ اندیشے پھر بھی لاحق رہتے ہیں اور یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم آگے کیا ہوگا۔ مزاج ملیں گے یا نہیں، موافقت ہوگی یا نہیں، پتہ نہیں سُسرال والوں کا سلوک کیسا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر بچّی کی الوداعی کے وقت ماں کی ہچکیاں لگی ہوتی ہیں، بہنیں پچھاڑے کھا رہی ہوتی ہیں، اور باپ اور بھائیوں کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ہوتی ہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ بیٹی والوں کا ایثار دیکھو کہ وہ اپنے لختِ جگر کو دوسروں کے حوالے کر رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی بیٹے والوں کا دل نہیں بھرتا اور رسومات کے نام پر ان کے مطالبات کی فہرست کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ جہیز ویسے ہی ہندوانہ رسم ہے۔ لیکن پہلے یہ ہمارے ہاں عام گھریلو استعمال کی اشیاء تک محدود رہتا تھا۔ لیکن اب تو بیٹے والوں کو فرج بھی چاہیئے!، ٹیلی ویژن بھی اور کار بھی۔ میں نے سُنا ہے کہ مکان اور فلیٹ کا بھی مطالبہ ہوتا ہے۔ خدارا غور کیجئے کہ جس بچّی کے باپ کے پاس یہ سب مطالبات پورے کرنے کے وسائل و ذرائع نہ ہوں اور پھر اُس کی ایک نہیں اور بھی بچیاں ہوں تو وہ کیا کرے، کہاں جائے، اپنی سفید پوشی کا بھرم کیسے قائم رکھے اور اپنی جوان بیٹیوں کو کیسے بیاہے ———— !!!

وقت کی اہم ضرورت ہے کہ رسومات کا جو بُت دلوں میں چھپا بیٹھا ہے اس کو پوری طرح مسمار کیا جائے اس لئے میں آپ حضرات سے عرض کرونگا کہ اس بات پر غور کریں کہ ہمارے سامنے شادی بیاہ کیلئے اصل معیار کیا ہے؟ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے اصل معیار صرف یہ ہے کہ کیا چیز نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے: مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ جو چیز نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے، وہ سر، آنکھوں پر، اور جو چیز ثابت نہیں اُس کو پاؤں تلے روندنے کے بجائے اگر ہم نے بسر و چشم قبول کیا تو اچھی طرح جان لیجئے کہ ہمارا دین کے ساتھ تعلق مخلصانہ نہیں اور ہمیں اس تعلق کو درست کرنے کی فکر کرنی چاہیئے!

اَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ!

ہدیہ منجانب: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِسلام اور حقوقِ اطفال

ازقلم:- غازی عُزیر (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

تیسری قسط

حقوق الفطیم:- اُوپر سورۃ البقرہ کی آیت ۲۳۳، جس میں بچہ کے اکتمالِ رضاعت کے حفظِ حقوق کے لئے بڑی حکمت کے ساتھ قوانین معین کئے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ بچہ کو ماں باپ دونوں کی باہمی رضامندی و مشورے

سے ہی فطیم بنایا جا سکتا ہے، بیان ہو چکی ہے۔ یہ احتیاط و قید اس مقصد کے تحت رکھی گئی ہے کہ کسی حال میں بھی بچہ کو ضرر نہ پہنچے اور اس کے حقوق پامال نہ ہوں۔ اکتمالِ رضاعت (مراد دودھ چھڑانے) کے بعد اصطلاحًا بچہ "فطیم" کہلاتا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے پہلی بار بیت المال میں فطیم بچہ کا حق مقرر فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دودھ چھڑانے کے بعد بچہ کی غذا کا انحصار اس کی ماں کے دودھ پر نہیں رہتا بلکہ اس کو طعام کی مستقل حاجت ہوتی ہے۔ اس بنائے معقول پر فطیم کا نفقہ بیت المال میں مقرر کرنا آپ کی فراست و دانش کی دلیل ہے۔ بیت المال میں حق فطیم مقرر کرنے کے بعد جب آپ کو کسی بچہ کے رونے کا سبب یہ معلوم ہوا کہ اُس کی ماں نے حق فطیم لینے کی غرض سے دودھ چھڑانے میں عجلت کی ہے تو آپؓ نے تمام بچوں کا حق بیت المال میں مقرر فرما دیا خواہ وہ رضیع ہوں یا فطیم۔ (فتوح البلدان للبلاذری، الفصل الخامس بالعطاء فی آخر الکتاب)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا "اہل الصغر" سے متعلق ایک اور واقعہ بہت مشہور ہے کہ آپ رات کو اکثر اپنی رعیت کے کوائف اور اُنکی ضروریات و حاجات سے باخبر رہنے کے لئے بستی کا گشت کیا کرتے تھے۔ ایک رات آپ نے دیکھا کہ ایک ماں چولھے کے اوپر برتن میں کچھ پانی اور کنکریاں ڈال کر اپنے بھوکے بچوں کو کھانا پکانے کا دھوکہ دے رہی ہے، تو آپ خود آٹا اور گھی اس عورت کے پاس لے گئے تاکہ وہ اپنے بھوکے بچوں کو کھانا کھلا سکے۔

ایک مرتبہ مدینۃ المنورۃ کی طرف تاجروں کا ایک قافلہ جا رہا تھا۔ اس قافلہ میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ رات کے وقت قزاقوں سے قافلہ کو محفوظ رکھنے کے لئے حضرۃ عمر بن الخطابؓ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو مقرر فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تمام رات جاگ کر نماز پڑھتے اور اُن کی حفاظت کرتے گزاری۔ یہ واقعہ اس طرح منقول ہے: "قال عمر لعبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما: ھل لک ان نحرسھم ھذہ اللیلۃ؟ فباتا یحرسانھم و یصلیان ما کتب اللہ لھما۔"

"ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی بچہ کے رونے کی آواز سنی تو اُس طرف

متوجہ ہوئے اور اس کی ماں سے کہا: اللہ کا تقویٰ اختیار کر اور اپنے بچہ کے ساتھ اچھی طرح پیش آ۔ یہ کہہ کر آپ چلدیئے۔ جب آپ واپس لوٹے تو پھر بچہ کے رونے کی آواز سنی۔ پھر اُس کی ماں کے پاس پہنچے اور کہا: اللہ کا تقویٰ اختیار کر اپنے بچہ کے ساتھ احسن طریقہ پر پیش آ۔ دوسری رات کو پھر آپ نے اسی طرح بچہ کے رونے کی آواز سنی تو اُس کی ماں سے کہا: اللہ سے ڈر، اپنے بچہ کے لئے کیا تو بری ماں نہیں ہے؟ اپنے بچہ کو رات کے وقت خاموش کیوں نہیں کرتی؟ اُس عورت نے، جو امیر المؤمنین کو نہیں پہچانتی تھی، کہا: اے اللہ کے بندے! رات کو آتے جاتے تم مجھ سے یہی کہتے ہو حالانکہ میں نے بچہ کو زبردستی کھانا کھلانا چاہا مگر وہ نہیں کھاتا۔ اور عمرؓ نے فطیم کے علاوہ کسی اور بچہ کیلئے بیت المال سے کچھ فرض نہیں کیا ہے (یعنی والدین کو فطم کے علاوہ ان کی اولاد کیلئے کچھ نہیں دیا)۔ آپؓ نے پوچھا اس بچہ کی عمر کیا ہے؟ اس عورت نے بتایا کہ اتنے ماہ ہے۔ آپ نے کہا کہ اس کے دودھ چھڑانے میں جلد بازی نہ کر۔ جب آپؓ فجر کی نماز قرأت کے ساتھ پڑھ رہے تھے تو بچہ کی بکاؤ نے آپ کی قرأت پر غلبہ پایا۔ آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا۔ تم سب عُمر کے لئے فقراء ہو۔ "یا بؤسا لعمر کم قتل من اولاد المسلمین"، پھر حکم دیا اور اعلان کرایا کہ فطام کے لئے لوگ اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ ہم نے تمام مولود کے لئے اسلام میں حق مقرر کر دیا ہے اور اس حکم کو اپنے تمام اُمراء الآفاق کو بھی لکھوا بھیجا۔" (مجلہ رابطۃ العالم الاسلامی مکۃ المکرمہ ماہ محرم ۱۴۰۰ھ ص ۶۶)

تاریخ اسلام میں اِس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے ہمارے اسلاف کا بچوں کے ساتھ غیر معمولی شفقت و محبت کا رویہ ثابت ہے۔

جب کوئی مومن نماز پڑھتا ہے تو اس کا تعلق براہ راست اللہ تعالےٰ سے ہوتا ہے تاکہ اللہ تعالےٰ کا تعلق اس کے ساتھ دیر تک قائم رہے لیکن رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چونکہ عورتیں بھی باجماعت نماز میں شریک ہوتی تھیں۔ اس لئے جب آپؐ بچہ کی بکاء سنتے تو نماز کو طول دینے سے کراہیت محسوس فرماتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں شریک عورتیں اپنے بچوں کو روتا سُن کر دقت و تکلیف محسوس کرتی تھیں۔ پس رسُول اللہ صلے علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کے لئے اختصار

نماز کی اپنی روشن مثال پیش فرمائی۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے:۔ انی لاقوم فی الصلاۃ ارید أن اطول فیها فأسمع بکاء الصبي فاتجوز فی صلاتی کراھیة أن أشق علی امه۔ رواہ البخاری)

حقوق الیتیم

شریعت نے یتیم بچوں کی پرورش و تربیت و تعلیم کے ساتھ ان کے جو خصوصی حقوق مقرر فرمائے ہیں وہ قرآن و سنت میں بڑاجلی بیان محفوظ ہیں۔ حضرت محمد علیہ صلوات اللہ خود یتیم تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنا رسُول اور رحمۃ للعالمین منتخب فرمایا۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ یتامیٰ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے:۔

(۱) اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۖ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۖ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۗ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۗ (الضحیٰ - ۶ تا ۹)	"ترجمہ:۔ کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا۔ اور ٹھکانا فراہم کیا اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کردیا لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو۔"
(۲) اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۗ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۙ (الماعون - ۱ و ۲)	"ترجمہ:۔ تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزاء و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے[1]"

[1] یہاں "یَدُعُّ الْیَتِیْمَ" کا فقرہ استعمال ہوا ہے جس کے کئی معنی ہیں۔ (۱) وہ یتیم کا حق مارکھاتا ہے اور متوفی کی چھوڑی ہوئی میراث سے یتیم کو بے دخل کرتا اور اسے دھکے مار کر نکال دیتا ہے۔ (۲) یتیم اگر اس سے مدد مانگنے آتا ہے تو رحم کھانے کے بجائے اسے دھتکار دیتا ہے اور پھر بھی اگر وہ اپنی زبوں حالی کی بنا پر رحم کی امید لئے ہوئے کھڑا رہے تو اسے دھکے مار کر دور کردیتا ہے۔ (۳) وہ یتیم پر مظالم ڈھاتا ہے مثال کے طور پر اس کے گھر میں اس کا اپنا ہی کوئی رشتہ دار یتیم ہو تو اس کے نصیب میں سارے گھر کی خدمت گاری کرنے اور بات بات پر جھڑکیاں سننے اور ٹھوکریں اور لات گھونسے کھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ کوئی برا کام کررہا ہے بلکہ بڑے اطمینان کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۳) فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ أَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعٰمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝

(البلد - ۱۱ تا ۱۵)

"ترجمہ:- مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی اور تم کیا جانو کہ وہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانے یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا"

(۴) وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

(البقرہ - ۸۳)

"ترجمہ:- اور ماں باپ کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا"

(۵) وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج (البقرہ، ۱۷۷)

"ترجمہ:- اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والے پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔"

(۶) وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّأَسِيْرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝

(الدھر - ۸ و ۹)

"ترجمہ:- اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور اُن سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلاتے ہیں ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵)

کے ساتھ یہ روش اختیار کئے رکھتا ہے اور اپنے تئیں سمجھتا ہے کہ یتیم ایک بے بس اور بے یار و مددگار مخلوق ہے اس لئے اگر اس کا حق مار کھایا جائے یا اسے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنا رکھا جائے اور اگر وہ مدد مانگنے کے لئے آئے تو اسے دھکے مار کر اور دھتکار کر بھگا دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

لہ اس آیت میں "عَلٰى حُبِّهٖ" کا فقرہ استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے "حُبِّهٖ" کی ضمیر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۷) يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۖ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ (البقرہ - ۲۱۵)

"ترجمہ: لوگ پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتے داروں پر، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔"

(۸) اور وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ (النساء - ۶)

"ترجمہ: ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔"

اس ضمن میں بہت کثرت سے احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند یہاں پیش کی جارہی ہیں :-

۱ - حضرت ابوہریرہؓ حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے نیک سلوک ہو رہا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے برا سلوک ہو رہا ہو۔" (بخاری فی الادب المفرد، ابن ماجہ)

(۲) ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ سرکارِ رسالتمآب نے ارشاد فرمایا "جس نے کسی یتیم کو اپنے کھانے اور پینے میں شامل کیا اللہ نے اس کے لئے جنت واجب کردی الّا یہ کہ وہ کوئی ایسا گناہ کر بیٹھا ہو جو معاف نہیں کیا جاسکتا۔" (شرح السنۃ)

(۳) حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: "جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اُس بچے کے ہر بال کے بدلے جس پر اس شخص کا ہاتھ گزرا اُس کے نیکیاں لکھی جائیں گی اور

(بقیہ حاشیہ ۳۶) کا مرجع کھانے" کو قرار دیا ہے چنانچہ ابن عباسؓ اور مجاہد اس کا مطلب "علی حب الاطعام" "یعنی غریبوں کو کھانا کھلانے کے شوق میں وہ ایسا کرتے ہیں" بتاتے ہیں - جب کہ حضرت فضیل بن عیاض اور ابوسلیمان الدرّانی کا قول ہے کہ "اللہ تعالےٰ کی محبت میں وہ یہ کام کرتے ہیں" مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی اپنی تفسیر میں حضرت فضیل بن عیاض و ابوسلیمان الدرّانی کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں - (ملاحظہ ہو تفہیم القرآن ج ۶ ص ۱۹۷ مطبوعہ لاہور)

جس نے کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ نیک برتاؤ کیا وہ اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے اور یہ فرما کر حضورؐ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر بتائیں۔" (مسند احمد، ترمذی)

(۴) حضرت سہیلؓ بن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اور وہ شخص جو کسی رشتہ دار یتیم کی کفالت کرے جنت میں اس طرح ہوں گے یہ فرما کر آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو اٹھا کر دکھایا اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔" (بخاری)

(۵) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میرا دل سخت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور مسکین کو کھانا کھلا۔"

(مسند احمد)

اسلام سے قبل عرب میں عورتوں اور بچوں کو عموماً میراث سے محروم رکھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ میراث کا حق صرف ان مردوں کو پہنچتا ہے جو لڑنے اور کنبے کی حفاظت کرنے کے قابل ہوں۔ اسی باعث متوفی کے رشتہ داروں جو سب سے زیادہ طاقتور بااثر ہوتا تھا وہ ساری میراث خود سمیٹ لیتا تھا۔ اور مستحقین میں سے جو اپنا حق چھیننے کی طاقت نہ رکھتا تھا اپنے حصہ سے محروم رہتا تھا۔ ان کی نگاہ میں فرائض و حقوق کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اس بات کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۝

"ترجمہ: ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکساتے اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔" (الفجر، ۱۷ تا ۱۹)

اہل عرب کی اس خراب عادت کو ختم کرنے کے لئے اسلام نے یہ حکم نافذ فرمایا کہ:۔ اگر یتیم بچہ صاحبِ مال ہو تو اس کے ولی پر واجب ہے کہ اُس کے مال کی پوری حفاظت کرے تاوقتیکہ وہ سن بلوغ و رشد کو پہنچے۔ یہ محض ایک اخلاقی ہدایت نہ تھی بلکہ آگے چل کر جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تو یتامیٰ کے حقوق کی حفاظت کے لئے انتظامی اور قانونی دونوں طرح کی تدابیر اختیار کی گئیں جن کی تفصیل ہم کو احادیث اور کتب فقہ میں ملتی ہے۔

پھر اسی سے یہ وسیع اُصول اخذ کیا گیا کہ اسلامی ریاست اپنے ان تمام شہریوں کے مفاد کی محافظ ہے جو اپنے مفاد کی خود حفاظت کرنے کے قابل نہ ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ "اَنَا وَلِیُّ مَنْ لَّا وَلِیَّ لَہٗ" یعنی میں ہر اُس شخص کا سرپرست ہوں جس کا کوئی سرپرست نہیں ہے۔" اور آپؐ کا یہی قول اسلامی قانون کے ایک وسیع باب کی بنیاد ہے۔

ولی کے لئے یتیم کے مال سے اُس کے مفاد کی خاطر خرچ کرنا (مثلاً تجارت کرنا) بھی جائز ہے۔ اگر ولی یا وصی ایسی تجارت کے نفع میں سے کچھ معاوضہ نہ لے تو افضل ہے لیکن اگر لینا چاہے تو لازم ہے کہ معتدل اور مناسب حصہ ہی لے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

(۱) وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (۴ : ۶)

"ترجمہ:۔ اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم اُن کے اندر اہلیت[۱] پاؤ تو اُن کے مال اُن کے حوالے کر دو۔ ایسا کبھی نہ کرنا کہ حدِ انصاف سے تجاوز کر کے اس خوف سے اُن کے مال جلدی جلدی کھا جاؤ کہ وہ بڑے ہو کر اپنے حق کا مطالبہ کریں گے۔ یتیم کا جو سرپرست مال دار ہو وہ پرہیزگاری سے کام لے اور جو غریب ہو وہ معروف طریقہ سے کھائے (یعنی حقِ خدمت لے) پھر جب اُن کے مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو اس پر گواہ بنا لو، اور حساب لینے کیلئے اللہ کافی ہے۔"

---

[۱] امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک مال حوالے کئے جانے کے لئے رُشد کا پایا جانا ناگزیر ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر سن بلوغ پر پہنچنے پر یتیم میں رُشد نہ پایا جائے تو ولی کو زیادہ سے زیادہ سات[۲] سال مزید انتظار کرنا چاہیئے بعد ازاں اُس کے حوالے کر دینا چاہیئے۔

(۲) وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ
(بنی اسرائیل ۔ ۳۴ و الانعام ۱۵۲)

"ترجمہ: اور مال یتیم کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقے سے یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائیں۔"

(۳) وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝ (النساء ۹ و ۱۰)

"ترجمہ:۔ لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہیئے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کچھ اندیشے لاحق ہوتے۔ پس چاہیئے کہ وہ خدا کا خوف کریں اور راستی کی بات کریں۔ جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔"

(۴) وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝ (النساء ۲)

"ترجمہ: یتیموں کے مال ان کو واپس دو، اچھے مال کو بُرے مال سے نہ بدل لو، اور اُن کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔"

(۵) ایک اور مقام پر فرمایا گیا:۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ
البقرہ ۔ ۲۲)

"ترجمہ:۔ اور وہ پوچھتے ہیں: یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ کہو: جس طرز عمل میں ان کے لئے بھلائی ہو، وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔ اگر تم اپنا اور اُن کا خرچ اور رہنا سہنا مشترک رکھو، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

آخر وہ تمہارے بھائی بند ہی تو ہیں۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اہل عرب میں سے جن لوگوں کی سرپرستی میں ایسی یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں جن کے پاس والدین کے متروکہ دولت ہوتی تھی وہ ان کیساتھ مختلف طریقوں سے ظلم کرتے تھے۔ اگر لڑکی مالدار ہونے کے ساتھ حسین بھی ہوتی تو وہ لوگ چاہتے تھے کہ خود اس سے نکاح کرلیں اور مہر و نفقہ ادا کئے بغیر ہی اس کے مال و حسن دونوں سے مستفید ہوں۔ لیکن اگر وہ بدصورت ہوتی تو وہ لوگ نہ خود اس سے نکاح کرتے نہ کسی دوسرے کو اس سے نکاح کرنے دیتے تاکہ اس کا کوئی ایسا ہمدرد نہ پیدا ہو جائے جو اس کے حق کا مطالبہ کرے۔" خدا تعالیٰ ان سرپرستوں کو ہدایت فرماتا ہے کہ ظلم کے ان طریقوں کو چھوڑ کر یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَاءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝ (النسآء - ۱۲۷)

"ترجمہ:۔ لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں کہو اللہ تمہیں ان کے معاملہ میں فتویٰ دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دلاتا ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جا رہے ہیں یعنی وہ احکام اُن یتیم لڑکیوں کے متعلق ہیں جن کے حق تم ادا نہیں کرتے اور جن کے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو (یا لالچ کی بناء پر تم خود ان سے نکاح کر لینا چاہتے ہو) اور وہ احکام جو اُن بچوں کے متعلق ہیں جو بیچارے کوئی زور نہیں رکھتے۔ اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور جو بھلائی تم کرو گے وہ اللہ کے علم سے چھپی نہ رہ جائے گی۔"

سعید بن جبیر، قتادہ اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جہاں تک یتیموں کا معاملہ ہے اہل جاہلیت بھی اُن کے ساتھ بے انصافی کرنے کو اچھا نہ سمجھتے تھے

لیکن عورتوں کے معاملہ میں اُن کے ذہن عدل و انصاف کے تصور سے خالی تھے جتنی چاہتے شادیاں کر لیتے تھے اور پھر اُن کے ساتھ ظلم و جور سے پیش آتے تھے۔ پس خُدا تعالیٰ نے فرمایا:-

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی	"ترجمہ: اور اگر تم یتیموں کے ساتھ
الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ	بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو
لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ	عورتیں تم کو پسند آئیں اُن میں سے
ثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ	دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح
اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا	کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ
مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ	اُن کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو
اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝	پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں
(النسآء - ۳)	کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے

قبضہ میں آئی ہیں بے انصافی سے بچنے کے لئے یہ زیادہ قرین صواب ہے۔"
خدا تعالیٰ نے یتامیٰ کے لئے[1] موارد بیت المال (یعنی "خمس مال غنیمت" اور فیٔ[2]")

---

[1] ابن عباس اور ان کے شاگرد عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک ایک شخص دس دس بیویاں کر لیتا تھا اور جب اس کثرت ازدواج سے مصارف بڑھ جاتے تھے تو مجبور ہو کر اپنے یتیم بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے بے بس عزیزوں کے حقوق پر دست درازی کرتا تھا۔

[2] "مال غنیمت" اور "فیٔ" میں فرق:- امام ابو عبید فرماتے ہیں: ما نیل من اهل الشرک عنوة قسرا والحرب قائمة فهو الغنیمة، وما نیل منهم بعد ما تضع الحرب اوزارها وتصیر الدار دار الاسلام فهو فیٔ یکون للناس عاما ولا خمس فیه (کتاب الاموال لابی عبید ص۲۵۴) یعنی جو مال دشمن سے بزور ہاتھ لگے جبکہ ابھی جنگ ہو رہی ہو وہ "غنیمت" ہے اور جنگ ختم ہونے کے بعد جب ملک دارالاسلام بن گیا اس وقت جو مال ہاتھ لگے وہ "فیٔ" ہے جسے عام باشندگان دارالاسلام کے لئے وقف ہونا چاہیے اس میں خمس نہیں ہے"۔ مال غنیمت اور فیٔ میں جو فرق ہے وہ حضرت عمر رضی بن الخطاب

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں بھی حق مقرر فرمایا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

(بقیہ حاشیہ ص۴۲) کے اس خط سے بھی واضح ہوتا ہے جو انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رض کو فتح عراق کے بعد لکھا تھا - وہ رض لکھتے ہیں :- فانظر ما اجلبوا به عليك فى العسكر من كراع او مالٍ فاقسمه بين من حضر من المسلمين واترك الارضين والانهار لعمالها ليكون ذلك فى اعطيات المسلمين (كتاب الخراج لابى يوسف ص۲۴، كتاب الاموال لابى عبيد ص۵۹ و كتاب الخراج ليحيىٰ بن آدم ص۲۷ و ۲۸، ۴۸) یعنی جو مال و متاع فوج کے لوگ تمہارے لشکر میں سمیٹ لائے ہیں اُس کو اُن مسلمانوں میں تقسیم کر دو جو جنگ میں شریک تھے اور نہریں اُن لوگوں کے پاس چھوڑ دو جو اُن پر کام کرتے ہیں تاکہ اُن کی آمدنی مسلمانوں کی تنخواہوں کے کام آئے "- سائب بن اقرع کا وہ مشہور واقعہ، جس میں جنگ نہاوند کے بعد اُنہیں قلعہ میں جواہر کی دو تھیلیاں ملی تھیں، اور حضرت عمر رض نے اُن کو فروخت کر کے قیمت بیت المال میں جمع کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا، بھی اس فرق سمجھنے میں مدد دیتا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الاموال لابى عبيد ص۲۵۴) حسن بصری کہتے ہیں : جو کچھ دشمن کے خیمہ سے ہاتھ آئے وہ ان کا حق ہے جنہوں نے اس پر فتح پائی اور زمین مسلمانوں کے لئے ہے - (كتاب الخراج ليحيىٰ بن آدم ص۲۷) امام ابو یوسف فرماتے ہیں:- جو کچھ دشمن کے لشکروں سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور جو متاع اور اسلحہ اور جانور وہ اپنے خیمہ میں سمیٹ لائیں وہ غنیمت ہے اور اسی میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے فوج میں تقسیم کئے جائیں گے -" (كتاب الخراج لابى يوسف ص۱۸) اور یہی رائے یحییٰ بن آدم کی بھی ہے - (ملاحظہ ہو کتاب الخراج ليحيىٰ بن آدم ص۲۷) شافعیہ کا مسلک ہے کہ مفتوحہ علاقے کے تمام اموالِ منقولہ غنیمت ہیں اور تمام اموال غیر منقولہ (مثلاً زمین و مکان و نہریں باغات وغیرہ) "فیٔ" قرار پائیں گے - (مغنى المحتاج) مالکیہ کا مسلک ہے کہ مسلمانوں کے محض فتح کر لینے ہی سے مفتوحہ علاقوں کی آراضی و مکانات خود بخود وقف على المسلمين ہو جاتی ہیں لیکن اسلامی حکومت ان پر کرایہ عائد نہیں کرے گی - نیز ان کو وقف کرنے کے لئے امام کے فیصلے یا مجاہدین کی رضا کی چنداں ضرورت نہیں رہتی (حاشیہ الدسوقی) حنابلہ آراضی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ	"ترجمہ: اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ
شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ	مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اُس
وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى	کا پانچواں حصہ اللہ اور اُس کے
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ	رسُولؐ اور رشتہ داروں اور یتیموں
السَّبِيْلِ ۙ	اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے
(الانفال - ۴۱)	ہے۔"

باری تعالےٰ کے اس حکم کے مطابق نبی صلے اللہ علیہ وسلّم ہمیشہ لڑائی کے بعد اعلان فرمایا کرتے تھے:-

ان هٰذه غنائمكم وانه	"ترجمہ:- یہ غنائم تمہارے ہی لئے
ليس لي فيها الا نصيبي	ہیں میری اپنی ذات کا ان میں
معكم الخمس والخمس	کوئی حصہ نہیں ہے بجز خمس کے
مردود عليكم فادوا الخيط	اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی
والمخيط واكبر من ذلك و	مصالح (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے)
اصغر ولا تغلوا فان الغلول	پر صرف کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک
عار ونار۔	سوئی اور ایک ایک تاگا لاکر رکھ

دو۔ کوئی چھوٹی یا بڑی چیز چھپا کر نہ رکھو کہ ایسا کرنا شرمناک اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔"

(بقیہ حاشیہ صہ ۴۴) کو مسلمان کے لئے وقف کر دینے یا فاتحین میں تقسیم کئے جانے کا اختیار امام کو دیتے ہیں۔ لیکن مفتوحہ علاقے مکانات کو وقف تصوّر کرتے ہیں اور ان پر کرایہ عائد نہ کئے جانے کے قائل ہیں (غایۃ المنتہیٰ) حنفیہ کے نزدیک بھی امام کو مفتوحہ آراضی میں سے خمس لے کر فوج میں تقسیم کرنے یا وقف علی المسلمین کا اختیار ہے۔ (احکام القرآن للجصّاص، شرح العنایہ علی الہدایہ، فتح القدیر و بدائع الصنائع) عبداللہ بن مبارک امام سفیان ثوری کا بھی اسی رائے سے اتفاق کرنا نقل کرتے ہیں۔ کتاب الاموال لابی عبید و کتاب الخراج لیحییٰ بن آدم)

قرآن پاک میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ (الحشر - ۷)

"ترجمہ: جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹادے وہ اللہ اور رسولؐ اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پہلے دو حصے (یعنی حق رسول اللہ و حق بنو ہاشم و بنو مطلب) ساقط کر کے صرف باقی تین حصے (یعنی یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل) فیئے کے حقداروں میں شامل رہنے دیئے گئے۔ پھر اسی پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانے میں عمل کیا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک "فیئے" کے جملہ اموال کو پانچ برابر حصوں میں تقسیم کر کے اس طرح صرف کیا جانا چاہیئے: ۱/۵ مصالح مسلمین پر، ۱/۵ بنی ہاشم و بنی مطلب پر، ۱/۵ یتامیٰ پر، ۱/۵ مساکین پر اور ۱/۵ مسافروں پر۔ لیکن امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ اس تقسیم کے قائل نہیں ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ فیئے کا پورا مال مصالح مسلمین کے لئے ہے۔ (مغنی المحتاج)

اسلام صرف اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ متوفی کے ترکہ میں اُس یتیم بچہ کے حق کا بھی لحاظ کرتا ہے جو ابھی بطنِ مادر میں ہے اور اُس کے بارے میں کسی کو کچھ علم نہیں کہ اُس کی جنس کیا ہے؟ (یعنی لڑکا ہے یا لڑکی) نیز آیا وہ زندہ بھی ہے یا مردہ؟ اور میت کے وارثوں کو ہدایت کرتا ہے کہ میراث کی تقسیم کے موقع پر جو دور و نزدیک کے رشتہ دار اور کنبہ کے غریب و مسکین لوگ اور یتیم بچے آجائیں اُن کے ساتھ تنگ دلی نہ برتو، میراث میں ازروئے شرع اُن کا حصہ نہیں ہے تو نہ سہی، وسعتِ قلب سے کام لے کر ترکہ میں سے اُن کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو اور اُن کے ساتھ دل شکن باتیں نہ کرو جو ایسے مواقع پر

بالعموم چھوٹے دل کے کم ظرف لوگ کیا کرتے ہیں - چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا	"ترجمہ : اور جب تقسیم کے موقع پر
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ	کنبہ کے لوگ اور یتیم اور مسکین
فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ	آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (النساء - ۸)	کچھ دے دو اور اُس کے ساتھ بھلے
	مانسوں کی سی بات کرو -"

اگر کسی یتیم کا حق اس کے سرپرست نے غصب کر لیا ہے - ایسی صورت میں سلام اُس یتیم کا حق واپس دلوانے کی ذمہ داری معاشرہ کے صالح افراد پر عائد کرتا ہے اس سلسلہ میں ایک بڑا عجیب واقعہ قاضی ابوالحسن الماوردی نے نقل کیا ہے جو اس طرح ہے :- " ابوجہل ایک یتیم کا وصی تھا وہ بچہ ایک روز اس حالت میں اُس کے پاس آیا کہ اُس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے اور اُس نے التجا کی کہ اُس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اُسے کچھ دیدے - مگر اس ظالم نے اُس کی طرف توجہ تک نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر کار مایوس ہو کر پلٹ گیا - قریش کے سرداروں نے ازراہ شرارت اُس سے کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر شکایت کر، وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تجھے تیرا مال دلوا دیں گے - بچہ بیچارہ ناواقف تھا کہ ابوجہل کا حضورؐ سے کیا تعلق ہے - اور یہ بخت اُسے کس غرض کے لئے یہ مشورہ دے رہے ہیں - وہ سیدھا حضورؐ کے پاس پہنچا اور اپنا حال آپؐ سے بیان کیا - آپؐ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے ہاں تشریف لے گئے - آپؐ کو دیکھ کر اُس نے آپؐ کا استقبال کیا اور جب آپ نے فرمایا کہ اس بچے کا حق اِسے دے دو تو وہ فوراً مان گیا اور اُس کا مال لا کر اُسے دیدیا - قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں ان دونوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آتا ہے - وہ کسی مزے دار جھڑپ کی امید کر رہے تھے - مگر جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہو کر ابوجہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ گئے - اس نے کہا خدا کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں اور بائیں ایک ایک حربہ ہے جو میرے اندر گھس جائے گا اگر میں نے ذرا بھی اُن کی مرضی کے خلاف حرکت کی " (اعلام النبوۃ)

اسلام نے یہ ضابطہ بھی مقرر کیا ہے کہ اگر کسی یتیم بچہ کا کوئی وصی نہیں ہے تو اُس کے قریبی رشتہ دار اُس کے وصی اور ولی قرار پائیں گے اور اُنکو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے فرضِ ولایت کو اچھی طرح ادا کریں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپنے ایک یتیم بچہ کے چچازاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کے ذمہ دار ہوں۔ اور ایک دوسرے یتیم کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے آپنے فرمایا کہ اگر اس کا کوئی بعید ترین رشتہ دار بھی موجود ہوتا تو میں اُس پر اس کی پرورش لازم کر دیتا۔" اس سے ثابت ہوا کہ اگر کسی یتیم بچہ کا کوئی بعید ترین رشتہ دار بھی موجود نہیں ہے تو وہ پورے معاشرہ کی ذمہ داری سمجھا جائے گا۔

مجملاً یتیم بچہ یا بچی کے سرپرست پر شرعاً لازم ہے کہ اس کے مال کی حفاظت کرے اور جو کچھ اس کی تعلیم و تربیت اور پرورش پر خرچ کرے اس کا دیانتداری کے ساتھ حساب رکھے، اگر اس کے ترکہ میں سے حق خدمت لے تو معروف طریقہ سے لے (یعنی وہ حق جس کو اکثر مناسب بتائیں) اور پوشیدگی سے نہ لے بلکہ اعلانیہ طور پر لے، شادی کے لائق عمر ہونے پر اچھی جگہ شادی کرادے، پھر انتظار کرے، جب اُس میں مقررہ شرائط (یعنی بلوغ و رشد) پائے تو کچھ لوگوں کی موجودگی میں تمام حساب پیش کر کے یتیم کی امانت اس کو سونپ دے۔ (جاری ہے)

(بقیہ) عرضِ احوال

کریں گے کہ ان کی امانتوں کی مناسب نگہداشت ہو اور ان کی صحیح خطوط پر تعلیم و تربیت ہو۔ اور اگر ہم بالفرض بچوں میں خدمتِ دین کا جذبہ کما حقہٗ پیدا کرنے میں کامیاب بھی ہو سکے تب بھی اِن شاء اللہ اتنا تو ضرور ہوگا کہ اس درس گاہ کے فارغ التحصیل دنیا کے لئے نکمّے بن کر نہیں رہیں گے بلکہ عربی یا اسلامک اسٹڈیز یا اسلامک ہسٹری یا پولیٹیکل سائنس میں ایم۔اے کر کے اپنا آئندہ راستہ خود تجویز کر سکیں گے۔

اب جو مقامی حضرات اپنے بچوں کو اس درس گاہ میں داخل کرانے کے خواہش مند ہوں ان سے درخواست ہے کہ وہ جمعہ اور تعطیل کے علاوہ کسی دن صبح ۷ بجے سے ۱۲½ بجے تک مدرسہ کے اعزازی ہیڈ ماسٹر جناب محمد یونس صاحب سے خود ذاتی طور پر اور بیرون لاہور والے خواہش مند حضرات بذریعہ خط و کتابت رابطہ قائم فرمائیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد (دوسری قسط)

تعارف الکتاب

پانچواں پارہ

وَالْمُحْصَنَاتُ

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ج

قرآنِ مجید کا پانچواں پارہ جو المحصنات کے نام سے موسوم ہے۔ پورے کا پورا سورۃ النساء پر مشتمل ہے۔ یہ سورہ مبارکہ ایک سو چھہتر آیات پر مشتمل ہے۔ جن میں تیئیس ۲۳ آیات سابقہ پارے یعنی چوتھے میں آچکی ہیں۔ ایک سو چوبیس آیات اس پارے میں اور انتیس ۲۹ آیات چھٹے پارے میں شامل ہیں۔ اس سورہ مبارکہ میں بھی دو سابقہ سورتوں کی طرح یعنی سورہ بقرہ اور سورہ آلِ عمران کی طرح اُمّتِ مسلمہ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اور اہلِ کتاب سے بھی۔ مزید برآں اس سورۃ میں منافقین کے ساتھ بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو ہوئی ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کے ساتھ خطاب کا تعلق ہے، انہیں شریعت کے احکام کی تعلیم دی گئی ہے اور اس سورۃ میں بالخصوص وہ احکام وارد ہوتے ہیں جو مسلمانوں کی گھریلو زندگی اور مسلمانوں کے عائلی نظام سے متعلق ہیں۔ یعنی شادی بیاہ کے قوانین۔ اس کے علاوہ اس معاشرے کو فحاشی اور بدکاری سے پاک کرنے کے لئے ابتدائی احکام اور ہدایات بھی اس سورہ مبارکہ میں وارد ہوئیں۔ اور اُمّتِ مسلمہ کے اصل فرضِ منصبی یعنی جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے دین کے غلبہ اور شہادتِ علی الناس پر تفصیلی بحثیں سورہ بقرہ اور آلِ عمران میں آچکی ہیں۔ اس پارے میں بھی سورۃ النساء کا جو حصہ شامل ہے اس میں بھی مسلمانوں کو انکی طرف توجہ دلائی گئی۔ بالخصوص شہادت علی الناس کے ضمن میں ایک بڑی عجیب بات اس بارے میں

وارد ہوئی یعنی یہ کہ قیامت کے روز جب انسانوں کا محاسبہ ہوگا تو اُمتوں اور قوموں کے حساب سے قبل اللہ تعالیٰ ان کے رسُولوں کو کھڑا کرے گا۔ جو اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ تعالیٰ تیرا جو پیغام بذریعہ وحی ہم تک پہنچا تھا۔ وہ ہم نے بلاکم وکاست ان تک پہنچا دیا تھا۔ اب یہ اپنے طرزِ عمل کے خود جوابدہ ہیں۔ یہ شہادت علی الناس کا اُخروی مظہر ہے۔ وہی چیز جو سُورۃ بقرہ میں بیان کی گئی تھی کہ :۔ وَكَذَالِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ اسی کا یہ دوسرا رُخ اس جگہ پر آیا کہ اسی شہادت کا ظہور قیامت میں بھی ہوگا۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ؕ "وہ دن کیسا ہوگا۔ اور اس دن کیا ہوگا۔ کہ جب ہم ہر اُمت کے خلاف ایک گواہ کھڑا کریں گے اور پھر آپؐ کو کھڑا کریں گے ان کے خلاف گواہ بنا کر"۔ اس آیت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ میں ایک واقعہ آیا ہے "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرمائش کی کہ مجھے قرآن سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا حضور! آپکو سناؤں۔ حالانکہ آپ ہی پر وہ نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن مجھے دوسروں سے سن کر کچھ اور ہی لطف آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورہ النساء کی تلاوت شروع کی۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بس کرو بس کرو۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ اب جو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے" شہادت اُخروی کا وہ خاکہ جو آیات میں پیش کیا گیا اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درجہ شدید اثر لیا۔ اس سُورہ مبارکہ میں دین کے اصل موضوع یعنی توحید کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی گئی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ "اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک برتا جائے۔ کسی کو اس کا ہمسر اور مدِمقابل ٹھہرایا جائے۔ اس کے سوا اس سے کم تر جو گناہ

ہیں۔ وہ جس کو چاہے گا معاف فرمائے گا"۔ اہل کتاب سے خطاب کے ضمن میں تقریباً وہی باتیں دوبارہ اجمالاً سامنے لائی گئی ہیں جو اس سے پہلے سورہ بقرہ میں اور سورۂ آل عمران میں آچکی ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے اس سُورۂ مبارکہ کا جو حصہ اس پانچویں پارے میں آیا ہے۔ اس میں سب سے تفصیلی گفتگو منافقین کے ساتھ ہوئی ہے۔ اگرچہ ان کو بھی خطاب کیا گیا۔ یاایھا الذین آمنوا کے الفاظ سے اس لئے کہ منافقین بھی بہر حال قانونی اعتبار سے، ظاہری اعتبار سے اُمّتِ مسلمہ میں شامل ہیں منافقین پر جو تین چیزیں سب سے زیادہ گراں گذر رہی تھیں، ان کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا۔ پہلی چیز ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کُلّی اطاعت اور کامل مطابقت یہ منافقین پر بڑی شاق تھی۔ وہ یوں کہ وہ اس کے لئے تو تیار تھے کہ ان سے نمازیں پڑھوائی جائیں روزے رکھوائے جائیں۔ لیکن زندگی کے ہر معاملے میں محمدؐ رسول اللہ کو اپنا مطاع بنانا، انہی کی اطاعت کو لازم ماننا یہ ان کے لئے بڑا گراں گذرتا تھا۔ فرمایا۔ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ پھر فرمایا۔ فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا۔ "اے نبی صلے اللہ علیہ وسلم تیرے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہوسکتے۔ جب تک آپ ہی کو حَکَم نہ بنائیں ہر معاملے میں جو ان کے مابین اٹھ کھڑا ہو اور پھر آپ کے فیصلے کو تسلیم نہ کریں۔ انشراحِ صدر کے ساتھ۔ پوری شان تسلیم و رضا کے ساتھ۔ اس کیفیّت کے ساتھ کہ ان کے دل میں اس فیصلے کے خلاف کوئی گھٹن موجود نہ ہو"۔ اس کے بعد دوسری چیز جو منافقین پر بہت گراں گذرتی تھی وہ جہاد اور قتال فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ کی راہ میں جان اور مال کا کھپانا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ کام تو انہی کے لئے آسان ہوسکتا ہے۔ جو اللہ پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ رسالت پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ اللہ کے وعدوں پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ جن کے دلوں

میں روگ ہو۔ جن کا یقین موجود نہ ہو۔ جو صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہوں۔ اور ان کے دل اس کی تصدیق سے خالی ہوں۔ ان کے لئے یہ بات کسی طرح بھی آسان نہ ہو سکتی تھی۔ کہ وہ اپنی جان اور مال اللہ کی راہ میں کھپائیں۔ لہذا بڑی تفصیل کے ساتھ حکم دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ یہی ایمان کا تقاضہ ہے اور درحقیقت یہی ایمان کا عملی ثبوت ہے۔ اس کے ساتھ تیسری چیز جو منافقین پر بڑی گراں گذر رہی تھی۔ وہ ہجرت کا حکم تھا۔ اللہ کے لئے اور اس کے دین کیلئے اپنے وطن کو خیرباد کہنا، اپنے گھر والوں سے کنبے والوں سے، رشتے داروں سے تعلق منقطع کر کے، آبا و اجداد کی سرزمین کو خیرباد کہہ کر مدینہ منورہ دارالاسلام جو اب اسلام کا مرکز بن چکا تھا، وہاں آجانا۔ ان لوگوں کے لئے آجانا تو آسان تھا، جو یقین رکھتے تھے، اللہ پر اور ایمان لائے تھے، پورے صدق دل کے ساتھ لیکن جن لوگوں کو وہ یقین کُلّی حاصل نہیں تھا، ان کے لئے یہ چیز بڑی کٹھن تھی۔ لہذا فرمادیا گیا کہ تمہارے ایمان کا ثبوت یہی ہے۔ اور اگر تم اللہ کی راہ میں ہجرت نہیں کرتے، تو جان لو کہ تم اللہ کی شدید مغضوبیت کے حقدار اور سزاوار ٹھہرائے جاؤ گے۔ منافقین کے ذکر میں اس پارے کے آخر میں بڑی شدید وعید وارد ہوئی کہ اللہ کو اگرچہ کفار بھی بہت مغضوب ہیں کہ کھلے کافر اللہ کو انتہائی ناپسند ہیں۔ لیکن منافقین ان سے بھی بڑھ کر اللہ کو ناپسند ہیں۔ جنہوں نے لبادہ اسلام کا اوڑھا ہو جو زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں۔ جو زبان سے مدعی ہوں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے لیکن جن کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین سے اپنی جان و مال زیادہ محبوب رکھتے ہوں۔ جن کے لئے جہاد اور قتال بہت بھاری ہو گیا ہو۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ اور ان کو کفار سے بھی بڑھ کر شدید سزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مہلک مرض سے بچائے رکھے۔ آمین

چھٹا پارہ

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ط

قرآن مجید کا چھٹا پارہ - لَا یُحِبُّ اللّٰہُ - کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے - اس میں پہلے سورہ النساء کی بقیہ اُنتیس ۲۹ آیات شامل ہیں - اور اس کے بعد سورہ مائدہ کی ایک سو بیس ۱۲۰ میں سے بیاسی ۸۲ آیات سورۃ النساء کا جو حصہ اس پارہ میں شامل ہے - اُس کا اکثر و بیشتر خطاب اہل کتاب پر مشتمل ہے - چنانچہ اہل کتاب کو بالعموم اور یہود کو بالخصوص متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان شرارتوں سے باز آجائیں جو وہ اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کر رہے ہیں - ساتھ ہی یہود کے اس مذموم خیال کی نہایت سختی کے ساتھ تردید کی گئی کہ ان کا یہ خیال تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا ہے - فرما دیا گیا - وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ ط (ترجمہ) انہوں نے انہیں قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ اس پورے معاملے میں اُن کو ایک شبہ میں ڈال دیا گیا - اس حصے میں بہت اہم مضمون یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نبوت اور رسالت کی اصل غرض و غایت کیا ہے - چنانچہ بہت سے انبیاء کا نام ذکر کر کے فرمایا گیا - آیت :- رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ط -

یعنی _____ اگرچہ اللہ نے انسان کو اس دنیا میں سماعت و بصارت اور عقل و شعور اور نیکی و بدی کی تمیز دے کر بھیجا ہے - اور اس اعتبار سے ہر انسان مکلّف ہے - مسئول ہے اور جوابدہ ہے

لیکن اللہ تعالےٰ کی حکمت متقاضی ہوئی کہ انسانوں پر مزید فضل و کرم فرماتے ہوئے - نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمائے - چنانچہ انبیاء کرام نے اور اللہ

کے رسُولوں نے حق وصداقت اور عدل کی راہ کو قولاً بھی واضح کیا اور عملاً بھی اس کا نمونہ پیش کر دیا تاکہ انسانوں کے پاس خدا کے یہاں کوئی عذر نہ رہ جائے کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ یا وہ یہ کہہ سکیں کہ اے اللہ ہم نہیں جانتے تھے کہ تو کیا چاہتا ہے۔ لہٰذا انبیاء کرام کی بعثت کے بعد اور رسولوں کے اس دنیا میں تشریف لانے کے بعد اب گویا نوع انسانی پر اتمام حجت ہو گئی۔ اور اب ان کے پاس اللہ کے یہاں پیش کرنے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہا۔

سُورہ مائدہ ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے قرآن مجید کی آخری سُورتوں میں سے ہے۔ اور بالخصوص شریعتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس اعتبار سے ہر پہلو سے تکمیلی احکام وارد ہوئے ہیں۔ سُورہ بقرہ اور سُورہ آلِ عمران اور سُورہ انبیاء کی طرح اس سُورہ مبارکہ میں بھی کچھ آیات میں خطاب اہلِ کتاب سے ہے اور کچھ آیات میں اُمّتِ مسلمہ سے۔ مسلمانوں سے خطاب کر کے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہے شریعت کے آخری احکام عطا کئے گئے۔ چنانچہ بالکل آغاز ہی میں کھانے پینے کی چیزوں میں حلّت وحُرمت کا آخری ضابطہ بیان ہوا۔ ساتھ ہی اہل کتاب کی خواتین سے نکاح کی اجازت ملی۔ مزید برآں اسی سُورہ مُبارکہ میں چوری پر قطعِ ید کی سزا کا اعلان ہوا۔ قتلِ ناحق کی شدید مذمت کی گئی اور فتنہ وفساد اور راہزنی اور ڈاکہ ڈالنے کی سزا انتہائی سختی کے ساتھ مقرر کی گئی اس اعتبار سے یہ سُورہ مبارکہ شریعت کی تکمیلی سُورۃ ہے اور اسی میں وہ آیت مبارکہ بھی وارد ہوئی ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ ترجمہ: آج ہم نے تم پر اپنے دین کو مکمل فرما دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور اس دینِ اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا۔ یہ آیت مبارکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی ہے اور اس میں شریعت کی تکمیل کا اعلان ہو گیا ہے وہ شریعت جو سابق انبیاء کے ذریعے تدریجی مراحل طے کرتے ہوئے بالآخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تکمیل کو

پہنچی اور خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس کا نزول تدریجاً ہوا - چنانچہ اکثر و بیشتر معاملات میں جو ابتدائی احکام ہیں وہ سورہ بقرہ میں وارد ہوئے ہیں - اور تکمیلی احکام وہ ہیں جو اس سورہ مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں - اس سورہ مبارکہ میں اہلِ کتاب سے بھی بہت مفصل خطاب ہے - اور اس اعتبار سے بھی یہ گویا کہ سورہ بقرہ آلِ عمران اور سورہ النساء اس سلسلے کی مہر گویا کہ تکمیلی سورۃ ہے - چنانچہ ان سے بڑے ہی دلنشیں پیرائے میں لیکن ساتھ ہی کان کھول دینے کے انداز میں فرمایا گیا - آیت - یَآ اَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰیۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ط اے اہلِ کتاب تمہاری کوئی حیثیت نہیں اللہ کی نگاہ میں تمہاری کوئی وقعت نہیں جب تک کہ تم قائم نہیں کرتے تورات کو اور انجیل کو اور وہ جو کچھ کہ تم پر نازل کیا گیا تمہارے ربّ کی طرف سے اس میں خود ہم مسلمانوں کیلئے بھی بڑی تہدید ہے - اور بڑی تنبیہہ ہے ہمیں بھی یہ سوچنا چاہیئے کوئی امت جو اللہ کی کتاب کی حامل قرار پاتی ہے - شریعتِ آسمانی کی امین بنتی ہے اسی کے کاندھے پر امانت کا ایک بارِ گراں آتا ہے - اگر وہ اس شریعت کو خود نافذ نہیں کرتی اس پر خود عمل نہیں کرتی، اسے خود اپنی زندگی کا لائحہ عمل نہیں بناتی تو گویا کہ وہ خواہ زبان سے اس شریعت کو ماننے کا اقرار کرے اپنے عمل سے تکذیب کر رہی ہوتی ہے - یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی شدید سزا اور عقوبت کا مستحق بنا دیتی ہے -

چنانچہ اس سورہ مبارکہ میں یہ فرما کر گویا کہ خود ہمارے لئے یہ ایک پیشگی تنبیہہ اس سورہ مبارکہ میں فرما دی گئی - گویا کہ ہم اس کو یوں پڑھ سکتے ہیں - کہ اے اہلِ قرآن جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں وارد بھی ہوا -

لا تتوسل القرآن ؛ ترجمہ :- کہ اے قرآن والے قرآن کو صرف تکیہ نہ بنالو - صرف ایک ذہنی معیار ایک قلبی اطمینان کہ ہم حامل کتاب الٰہی ہیں ہم اللہ کی شریعت کے حامل ہیں - بلکہ اس کتاب کے حقوق ہیں - جو تم پر عائد ہوتے ہیں - اس ضمن میں بڑی اہم ذمہ داریاں ہیں جو تم پر عائد ہوتی ہیں - فرمایا

بل تعرؤہٗ اتلوہ حق تلاوتہٖ فی انای اللیل والنہار) ترجمہ؛ بلکہ اس کو پڑھا کرو جوکہ اس کے پڑھنے کا حق ہے رات کے اوقات میں بھی دن کے اوقات میں بھی وتحفظوہ اور اس کو خوش الحانی سے پڑھ کر حظ اٹھایا کرو۔ واغشوعہٗ اور اسے عام کرو۔ اس کے پیغام کو دنیا میں پھیلاؤ۔ اس کے نور سے چار وانگ عالم کو منور کرو۔ وتدبروہ فیہ لعلکم تفلحون - اور اس پر تدبر کرو، غور و فکر کرو، اس سے تمہاری فلاح وابستہ ہے۔ اس سے حقیقی بھلائی ملے گی۔ گویا کہ اس سورہ مبارکہ میں جہاں ایک طرف مسلمانوں کو تکمیلی احکام دیدیئے گئے شریعت کے مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے آخری ہدایات دے دی گئیں - وہیں اہل کتاب کے حوالے سے یہ بات بھی واضح کردی گئی کہ حامل شریعت ہونا اور حامل کتاب الٰہی ہونا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ انہیں ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔

ساتواں پارہ

وَإِذَا سَمِعُوا

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ج - قرآن مجید کا ساتواں پارہ وَإِذَا سَمِعُوا کے نام سے موسوم ہے اس میں ابتداً سورہ مائدہ کی ۳۸ آیات شامل ہیں اور اس کے بعد سورہ انعام شروع ہوتی ہے۔ اس کی کل ایک سو پینسٹھ آیات میں سے ایک سو دس آیات اسی پارے میں وارد ہوئی ہیں۔ سورہ مائدہ کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ شریعت کی تکمیلی سورۃ ہے - چنانچہ اس میں شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کے تکمیلی احکام وارد ہوئے ہیں - جو حصہ اس ساتویں پارے میں شامل ہے اس میں بھی احرام کی حالت میں شکار کرلینے پر جو سزا یا کفارہ معین کیا گیا ہے اس کا بیان آیا، قسم توڑنے کے کفارے کا بیان ہوا اور شراب اور جوئے

کے بارے میں بھی آخری حرمت کا حکم نازل ہوا۔ اس شراب اور جوئے کے آخری حکم کی حرمت پر بعض مسلمانوں کو تشویش ہوئی کہ جو لوگ اس سے پہلے اس حرام چیز سے شغل کرتے رہے اور اسی حالت میں انہوں نے نمازیں بھی پڑھیں ان کی نمازوں کا کیا بنے گا۔ یہ تشویش گویا کہ بالکل اسی طرح کی تھی جس طرح کی تشویش مسلمانوں کو تحویل قبلہ کے بعد لاحق ہوئی تھی کہ سولہ سترہ مہینے تک ہم جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے رہے اب ان نمازوں کا کیا ہوگا۔ رُوح دین کے اعتبار سے اس ضمن میں بڑی اہم بات واضح کی گئی کہ دین میں اصل چیز تو تقویٰ ہے۔ خدا کا خوف، مسئولیت کا احساس، اللہ کے حضور میں حاضری اور اس کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتے رہنا اور اس کے احکام کو توڑنے سے بچتے رہنا جن کو ہم تقویٰ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ دین کی اصل رُوح یہ ہے۔ اگر پہلے تکمیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے بھی کوئی کمی ہوتی رہی تھی۔ تو اس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ فرمایا گیا۔ : اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ :۔ تقویٰ اگر ہے اور وہ رُوح تقویٰ انسان کو ایمان کے راستے پر گامزن رکھتی ہے۔ ایمان میں انسان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اعمال میں بھی بتدریج ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مقام احسان پر فائز ہو جاتا ہے تو یہ رُوح تقویٰ وہ ہے جو انسان کو آخری منزل تک پہنچا سکتی ہے اور یہی مقام احسان ہے کہ جو اللہ کی پسندیدگی کا احسان ہے اللہ کو محسنین بہت پسند ہیں۔ اہل کتاب کے خطاب کے ضمن میں سورہ مائدہ کے اخیر میں ایک بڑی عجیب بات بیان ہوئی ہے کہ قیامت میں جب اُمتوں کا محاسبہ ہوگا تو ان کے ساتھ ہی ان انبیاءُ رُسل سے بھی پرسش ہوگی۔ یہ بات آگے چل کر سورہ اعراف میں بھی بہت واضح انداز میں بیان ہوگی۔ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (ترجمہ) ان سے بھی پوچھیں گے کہ جن کی طرف ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور ہم پوچھیں گے

خود رسولوں سے بھی - چنانچہ قیامت میں اللہ تعالےٰ حضرت مسیح علیہ السّلام سے سوال فرمائیں گے - آیت - ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط الخ آیت ۱۱۶ المائدہ (ترجمہ) اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو بھی اللہ کے سوا معبود بنا لینا اور حضرت مسیح علیہ السّلام انتہائی لجاجت سے جواب دیں گے کہ اے اللہ میرے لئے کیسے ممکن تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے - اگر میں نے کہا ہوتا تو وہ تیرے علم میں ہوتی - اس سے گویا کہ اشارہ کیا گیا! اس بات کی طرف کہ اُمّتوں کی گمراہیوں کی قیامت کے دن ایک شکل اس صورت میں بھی پیدا ہو گی کہ ان کے انبیاء و رُسل کو شرمندگی کا سامنا، اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں کرنا ہوگا۔ اس کے بعد قرآن حکیم میں سُورہ انعام شروع ہوتی ہے - قرآن مجید میں سب سے پہلے سورۃ فاتحہ ہے - جو مکّی ہے اس کے بعد چار طویل ترین مدنی سُورتیں ہیں اور اس کے بعد دو سورتیں مکی ہیں - سُورہ انعام اور سورہ اعراف اور یہ ہر اعتبار سے مکّی سورتوں کے ایک انتہائی حسین و جمیل جوڑے کی صورت میں قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں - ان دونوں میں مضامین کی ترتیب بہت عجیب ہے - دونوں میں اصل خطاب کا رُخ مشرکین عرب سے بالعموم اور قریشِ مکہ کی طرف بالخصوص ہے - ان کی گمراہیوں پر ان کے شرک پر دین ابراہیمی میں جو بدعات انہوں نے جاری کر دیں تھیں ان پر سختی کے ساتھ گرفت کی گئی ہے اور توحید کی تعلیم دی گئی ہے اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے البتہ سورہ انعام میں اس کی ساری گفتگو کا دار و مدار امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے الفاظ میں التذکیر بالآء اللہ پر ہے - یعنی اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے توحید کا بیان اللہ کے احسانات آفاق و انفس میں اس کی توحید کی نشانیاں اس کی کمال صفات کے شواہد جو ہر طرح ہر طرف موجود ہیں، ان کے حوالے سے اس شرک کی مذمت اور توحید کی دعوت ہے اسی ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا بڑا تفصیل کے ساتھ

ذکر ہوا۔ واضح رہنا چاہیئے کہ بالعموم جس میں اہلِ عرب بالخصوص قریشِ مکہ اس بات کے مدعی تھے کہ وہ دینِ ابراہیمی پر ہیں۔ بلکہ وہ نسلاً بھی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہی سے وابستہ سمجھتے تھے۔ جہاں تک قریشِ مکہ کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ چنانچہ اس سورہ مبارکہ میں حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر دونوں اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس پہلو سے بھی کہ وہ اعلی الاطلاق۔

پوری نوع انسانی کے اعتبار سے بڑے اہم مقام و مرتبہ پر فائز ہیں۔
علامہ اقبالؒ نے جو فرمایا ہے کہ

براہیمیؑ نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے ؎
ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنا لیتی ہے تصویریں

تو واقعہ یہ ہے کہ پوری نسلِ انسانی کی تاریخ میں توحید کے اعتبار سے امام الناس ابوالانبیاء اور خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا بڑا بلند مقام ہے اس سورہ مبارکہ میں ان کی اس حجت کا ذکر ہے جس کا حوالہ خود اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ میں دیا۔ آیت وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ط یہ ہماری وہ حجت ہے جو ہم نے ابراہیم علیہ السّلام کو اس کی قوم کے مقابلے میں عطا فرمائی چونکہ ان کی قوم سورج کی پرستش کرتی تھی چاند اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی بت پرست بھی تھی۔ بڑے بڑے ہیکل انہوں نے تعمیر کئے تھے۔ اور کثیر تعداد میں بُت انہوں نے رکھے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے خاص طور پر ان آیات میں جو کہ سُورہ مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں۔ ستارہ پرستی اور سُورج پرستی کی مذمت کی اور بڑے ہی دلنشین پیرائے میں اس بات کو کھول دیا کہ نہ سُورج میں کوئی الوہیت ہے اور نہ چاند میں نہ تاروں میں یہ سب ڈوب جانے والے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی نہ دوام ہے اور نہ بقا حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان سے کیسے محبت کروں۔ ان کو کیسے پوجوں جو بالآخر ڈوب جانے والے ہیں اور اس کے بعد آتا ہے وہ نعرۂ توحید جو حضرتِ ابراہیم

علیہ السلام کی زبان پر وارد ہوا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ - میں نے تو ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز اس کے ساتھ شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

آٹھواں پارہ

وَلَوْ اَنَّنَا

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ۝

قرآن مجید کا آٹھواں پارہ ولو اننا کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ یہ پارہ دو برابر برابر حصوں میں منقسم ہے۔ اس کے نصف اوّل میں سورۃ الانعام کی بقیہ پچپن (۵۵) آیات وارد ہوئی ہیں۔ اور نصف ثانی میں سورہ اعراف کی ۸۷ آیات ہیں سورہ الانعام کا جو حصہ اس پارہ میں وارد ہوا ہے اس میں ابتداءً رسول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔ آپ دلگیر نہ ہوں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تو اپنی شرافت طبع اور مروت کی بناء پر یہ احساس ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کا سبب کہیں میرے ابلاغ اور تبلیغ اور دعوت و نصیحت میں کسی اعتبار سے کوئی تقصیر تو نہیں اور دوسرے جیسا کہ اس سورہ مبارکہ کے آغاز میں بھی آیا کفار کی

طرف سے جب مطالبہ کیا گیا کہ ہمیں معجزات دکھائے جائیں ہم ایمان لے آئیں گے تو اس پر بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال بر بنائے طبع بشری پیدا ہوا کہ کیوں نہ انہیں ان کی پسند کے معجزات دکھا ہی دیئے جائیں اور ان کے مطالبات پورے کر دیئے جائیں کیا عجب کہ وہ ایمان لے آئیں اور اگر ایمان نہ لائیں تب بھی کم از کم اُن پر حجت تو قائم ہو جائے اس پارے کے آغاز میں فرمایا کہ اس خیال میں کوئی حقیقت نہیں انہیں اگر تمام معجزات بھی دکھا دیئے جائیں وہ تمام چیزیں جن کا یہ مطالبہ کر رہے ہیں پوری کر دی جائیں پھر بھی یہ ماننے والے نہیں اس کے بعد مشرکین عرب اور قریش مکہ کی ان بدعات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا جو انہوں نے دینِ ابراہیمی میں اپنے دل سے گھڑ کر شامل کر لی تھیں چنانچہ کھانے پینے کی چیزوں میں ایک لمبا چوڑا ضابطہ انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر دین ابراہیمی کے نام سے نافذ کر دیا تھا۔ اس کی شدت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے اور آخر میں بڑی جامعیت کے ساتھ یہ بتایا گیا۔

۔ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝

آؤ میں تمہیں بتاؤں تمہارے رب نے کن چیزوں کو حرام کیا۔ دین ابراہیمی کے اصل اصول کونسے ہیں۔ شریعتِ آسمانی کے اصل اور بنیادی احکام کونسے ہیں یعنی یہ کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، چوری سے بچو، یتیموں کا مال ہڑپ کرنے سے باز آؤ، اسی طریقے سے فواحش سے بچو اور بھی جو بنیادی اخلاقی تعلیمات ہیں ان سب کو بڑی جامعیت کے ساتھ اس مقام پر ان سب لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے کہ یہ ہے اصل دین۔

۔ انّنی ھدانی الی صراط مستقیم ۝

میں حضورؐ سے کہلوایا گیا یہ میرا سیدھا راستہ ہے یہی اصل ملّتِ ابراہیمی ہے اور یہی وہ امور ہیں کہ جن کی طرف میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں آخر میں روح

دین کے اعتبار سے بڑی جامع بات ہے حضورؐ کو حکم ہوا کہ آپ یہ فرمادیں ۔

۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ج وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ہ

میری نماز میری قربانی میری زندگی اور میری موت یہ سب کچھ اللہ ہی کیلئے ہیں ۔ اللہ ہی کے لئے ہو جانا انسان کی زندگی اور موت کا انسان کے جینے اور مرنے کا انسان کی پسند اور ناپسند اس کا معیار واحد اللہ کی پسند ہے یہ ہے اصل دین اور یہ ہے دین کی اصل حقیقت اور اس کی اصل روح اس کے بعد سُوْرۃ الاعراف کا آغاز ہوتا ہے یہ سورۃ مبارکہ قرآن مجید میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی استعمال کردہ اصطلاح کے مطابق تسکین کی بڑی حسین و جمیل ایک مثال ہے یعنی نسل انسانی کی تاریخ کے اہم واقعات استشہاد جس میں انبیاءؑ و رُسل کے حالات و واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ وارد ہوئے ہیں ۔ اس سُورۃ مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ تاریخ انسانی کے اہم واقعات پر مشتمل ہے پہلا رکوع بہت جامع ہے اور اس میں وہ آیت بھی وارد ہوئی ہے ۔

وَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ہ

"ہم باز پرس کریں گے اور محاسبہ کریں گے اُن کا جن کی طرف ہم نے رسُولوں کو بھیجا اور ہم پوچھیں گے اُن سے بھی جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا" اس کے بعد کے دو رکوع میں قصہ آدم و ابلیس بیان ہوا ہے اور اس کے بعد دوسرے پہلو جو سورۃ بقرہ کے چوتھے رکوع میں بیان ہوئے ۔ یہ قصہ قرآن مجید میں ابتداً آیا مگر اس کے بعض پہلو تشنہ رہ گئے تھے اُن کی تفصیل بیان کی گئی ہے ۔ گویا کہ نسل انسانی کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارا ازلی اور ابدی دشمن شیطان رجیم وہی ہے جس نے تمہارے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام اور تمہاری اماں حوّا علیہا السلام کو جنت سے نکلوایا تھا اور اب بھی وہ درپے ہے کہ تمہیں دوبارہ اُسی

جنت میں داخل نہ ہونے دے اپنے اس دشمن کو پہچانو۔ ابتدا افرینش یا یوں کہیئے کہ نسل انسانی کے آغاز کے ان واقعات کے بعد نسل انسانی کے اخروی انجام کا ذکر ہوا چنانچہ تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ نسلِ انسانی کس انجام کے ساتھ دو چار ہونے والی ہے ان میں کچھ خوش قسمت لوگ وہ بھی پیدا ہوں گے جو اللہ کی رحمت کے دامن میں جگہ پائیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔

آیت۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ان کا مقسوم بنے گا اور کچھ بدقسمت لوگ وہ ہوں گے جو جہنم میں داخل کئے جائیں گے اور عذاب شدید میں مبتلا کئے جائیں گے ساتھ ہی ذکر ہوا اصحاب کہف کا یہ حالات و واقعات ہیں کہ جو گویا نسل انسانی کی تاریخ کے بالکل آخری دور کے واقعات ہیں۔ اس کے بعد شروع ہوتا ہے انبیاء اور رسل کی تعریف کا سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام جو قوم عاد کے طرف بھیجے گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام جو قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے۔ حضرت ہود علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا کہ یہ سب دورِ انسانی کو حق کی طرف دعوت دیتے تھے۔ توحید کی طرف بلانے کیلئے آئے بداعمالیوں سے فاحشات سے منکرات سے روکنے کے لئے آئے لیکن انسان اپنی بدبختی میں اپنی سرکشی میں اپنے تکبر میں کفر اور انکار پر اڑا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تمام قوموں پر ہلاکت کا عذاب نازل ہوا قوم نوح کو غرق کیا گیا قوم عاد اور ثمود بھی اس طرح تباہی سے دوچار ہوئی قوم لوط پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی اور ان کی بستیاں برباد کردی گئیں۔ یہ تمام حالات واقعات ایک ہی حقیقت کی طرف راہنمائی کر رہے ہیں کہ کامیابی اس دنیا میں بھی بالآخر ان کے حصے میں آنے والی ہے جو خدائے واحد کے پرستاروں انبیاء و رسول کی دعوت کو قبول کریں اور اس پر لبیک کہیں۔ نیکی اور صداقت راستبازی اور راست روی کو اختیار کریں اور بربادی مقدر بنتی ہے ان کا جو اس دنیا میں بھی اس کے برعکس روش اختیار کریں اور آخرت میں تو وہ دردناک انجام سے

دوچار ہونے والے ہیں (جاری ہے)

لئے کہ یہ ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور خود آں حضورؐ کے فرمانِ مبارک کے مطابق کوئی شخص مومن نہیں قرار پاسکتا جب تک اُسے آں حضورؐ سے اپنے والدین، اپنی اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبت نہ ہو جائے ۔ اسی طرح سورہ حجرات میں واشگاف الفاظ میں اہلِ ایمان کو متنبہ فرما دیا گیا کہ آنحضورؐ کی شان میں غیرارادی طور پر ادنیٰ سی گستاخی بھی تمام اعمال کے اکارت جانے کا سبب بن سکتی ہے۔ بقول شاعر ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر   نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

آں حضورؐ سے ہمارے تعلق کی تیسری بنیاد اطاعت اور اتباع ہے یعنی نہ صرف آپؐ کے ہر حکم کی بے چون وچرا تعمیل، جو منطقی نتیجہ ہے ایمان اور تعظیم کا بلکہ آپؐ کے ان معمولات کی بھی حتی الامکان پیروی، جن کا آپؐ نے لفظاً حکم نہیں دیا، جو لازمی نتیجہ ہے عشق و محبت کا!

آنحضورؐ سے ہمارے تعلق کی آخری اور اہم ترین اساس ہے آپؐ کی نصرت و تائید یعنی آپؐ کے مشن یا مقصدِ بعثت کے بین الاقوامی یا عالمی مرحلے کی تکمیل کے لئے اپنا وقت، قوت، صلاحیت اور روپیہ پیسہ صرف کرنا تاکہ رسالتِ محمدیؐ کا پیغام چہار دانگ عالم اور ایک ایک فردِ نوعِ بشر تک پہنچ جائے اور اللہ کا دین کُل روئے ارضی پر غالب و نافذ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کام کی انجام دہی کا واحد ذریعہ ہے اللہ کی کتاب "قرآن مجید و فرقانِ حمید"، کی تبلیغ اور اس کے علم و حکمت اور تعلیمات و ہدایات کی نشر و اشاعت ۔ گویا اس نور کا اتباع جو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نازل کیا گیا۔ چنانچہ یہی باتیں نہایت جامعیت کے ساتھ وارد ہوتی ہیں سورہ اعراف کی آیت ۱۵۷ کے ان الفاظِ مبارکہ میں کہ :۔

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

یعنی: پس جو لوگ ہمارے اس رسول نبی اُمّی پر ایمان لائیں اور اُسؐ کی تعظیم کریں اور اُسؐ کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اُسؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ کامیاب اور فائز المرام ہوں گے!

اے اللہ ہمیں بھی ایسے لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما!!

آمین یا ربّ العالمین!!

مذاکرات قرآنی

★ ۲۳ تا ۳۱ مارچ روزانہ شام کی نشستوں کا
پروگرام حسب ذیل ہوگا

○ عصر تا مغرب مختلف سیاسی و قانونی ' معاشی و اقتصادی اور سماجی و عم
موضوعات پر روزانہ ایک مقالہ پیش ہوگا اور اس پر بحث و گفتگو ہوگی ۔

○ مغرب تا عشاء روزانہ قرآن مجید کے کسی مقام کا درس یا حکمت قرآنی کے
پہلو پر تقریر ہوگی اور اس پر بھی سوالات کا موقع دیا جائیگا ۔

★ 23 مارچ کو ساڑھے آٹھ بجے صبح قرآن اکیڈمی ہی میں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا

سالانہ اجلاس عام

منعقد ہوگا جس میں انجمن کے ناظم اعلیٰ محمد بشیر ملک انجمن کی سالانہ رپورٹ
پیش کریں گے ۔ ناظم مالیات شیخ محمد عقیل آمد و خرچ کا حساب پیش کریں
گے اورصدر موسس ڈاکٹر اسرار احمد انجمن کے مقاصد اور پیش نظر
منصوبوں پر روشنی ڈالینگے

نوٹ

★ جملہ پروگراموں میں خواتین کی شمولیت کے لئے پردے کا اہتمام ہوگا

★ محدود تعداد کی حد تک بیرون لاہور سے آنے والے حضرات کے قیام کا ا
قرآن اکیڈمی میں کیا جا سکتا ہے - ایسے حضرات سے درخواست ہے کہ ا
طور پر اپنے ارادے سے دفتر انجمن کو مطلع فرمائیں۔

Regd. L. No. 7360

Monthly **MEESAQ** Lahore

Vol. 30 | MARCH 1981 | No. 3

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے زیر اہتمام اس سال تین یا چار روزہ

قرآن کانفرنس

کی بجائے انشاءاللہ العزیز

سوموار ۲۳ تا منگلوار ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء

قرآن اکیڈمی

۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

میں روزانہ عصر تا مغرب اور مغرب تا عشاء دو اجلاس منعقد ہونگے اس ضمن میں بعض تفاصیل دوسری جانب ملاحظہ فرمائیں

ع صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے!

الـمـعـلان : ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن خدام القرآن ۔ لاہور